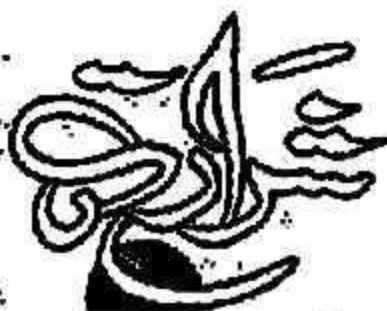


شرارت
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
نبیلہ عزیز

تنبیہ عزیز



جان گئی تھی بس مجھ بھی چھاپا ہوا نہیں تھا۔
 "ماہنامہ ایمر ایسا کرو وگن کو اس کے بیڈ روم میں
 چھوڑ کو تھک گئی ہوگی۔" حازقہ بیگم نے اپنی زور لائی
 کی بیٹی کو اشارہ کیا تھا وہ سمجھ گئی تھی اسی لیے فوراً
 صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئیے بھابھی! آپ کو اوپر بیڈ روم میں چھوڑ
 لوں۔" بیگم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے سہارا لیا۔
 وہ بھی اس کی اچھل سے چلنے لگا۔ لگتا ہے جتنی بھی
 غصی لیے بغیر کسی شکل و صورت کے اس کے کھاتہ اٹھ
 کر کھڑی ہو گئی۔

دلکشاں جارے ہیں آپ لوگ؟ وہ اچانک
 ڈرامائیگ روم کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔

دلہن کے ہاتھوں پر ہندی کیوں نہیں ہے امی؟
 کسی بھی نے دلہن کو پراشتیاں نظروں سے دیکھتے
 ہوئے اچانک اپنی ماں سے مخصوص سا سوال کیا تھا اور
 جہاں اس کے سوال پر اس کی ماں بھی تھکی تھیں وہیں
 خود دلہن کی نظریں اپنے ہاتھوں پر آکر ٹھہری تھیں۔
 شفاف گلابی ہتھیلیاں ہندی کے سرخ رنگ اور نقش
 و نگار سے باری تھیں اور ان پر بے وقت۔
 "ہاں میں ہوں امی! دلہن کے ہاتھوں پر ہندی کیوں
 نہیں لگی؟" کی بیٹی نے اسے اصرار کیا۔

اس جو رت سے کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے بیٹی
 کو ہر زنجیر کرتے ہوئے ڈانٹ دیا تھا لیکن اس کے منہ
 کرنے سے کیا ہو سکتا تھا جو کچھ بھی ہوا تھا وہ ساری دنیا

مسکھاناؤں



تھا نامہ کے ساتھ ساتھ وہیں کے قدم بھی تھم گئے تھے۔ سامنے ہی وہ دو بار باہر اٹھا۔
 ”وہیں رہتی تھی کے بعد کہاں جاتی ہے؟“ نامہ نے اپنے کیا زکوٰۃ کو شرارت سے دیکھا۔

”یہاں وہیں تو رہتی تھی کے بعد اپنے شوہر کے بڑے بھائی میں ہی جاتی ہیں لیکن اگر خاص ہوا دیتی ہو تو کہیں بھی جا سکتی ہے۔“ وہ نامہ کو کہی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے لفظوں پر زور دے کر بولا تھا۔
 نامہ نے یکدم کمرٹ کھانے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شرارت نکل رہی تھی اور وہ انتہائی بے نیازی سے آنکھیں پھیر رہا تھا۔

”جانیجے“ وہ اپنی اسی بے نیازی سے کہتا سا بیڑہ ہو گیا۔

نامہ نامہ کو لے کر اوپر آئی تھی اور ان کو اوپر آتے دیکھ کر بائی کر تو بھی یکدم کھیل کی طرح اٹھ بیٹھ گئی تھیں۔

”موسوی نہیں ہوائی؟“ کسی کزن نے کیہ جو میں کی کسی محسوس کرتے ہوئے تو تھا۔

نامہ نے جواب نہیں دیا تھا کیا بتانی کہ وہیں نے خود ہی ہنسی بولنے سے انکار کر دیا تھا۔

پھر آگے بڑھ کے بیڑہ کا وہ وہاں کھیل رہا تھا تاہم پھولوں کی سبک اک جھونکے کی طرح باہر آئی تھی اور نامہ کا دل ان پھولوں کی خوشبو سے بھرا اٹھا تھا وہ ٹھٹھکی گئی تھی اور کسی کے ارادے سے تھے اور ان ارادوں پر وہ قدم رکھنے جا رہی تھی۔ گویا وہ نہ دیکھنے جا رہی تھی۔

اس کے قدم میں میں پھر کے ہو گئے وہ اپنے کے اندر قدم نہیں رکھنا چاہتی تھی لیکن جب کسی کی زندگی میں قدم رکھ دیا تھا تو پھر یہ دیکھ کر کیا کہتی تھی؟
 تو کیا اس سے بیڑہ بھاگ کر خوش کیا یاں کہی ہوئی باہر آئی تھی اور وہ کسی کے تباہ شدہ ارادوں کے لیے تھے اکیل جاتی رہی تھی۔ پھولوں سے سجائیے انگاروں کا بھر محسوس ہونے لگا اور وہ ان انگاروں پر بیٹھ اپنی مدح

سمیت راکھ ہونے لگی تھی۔
 گلابوں سے نکلنے والے شعلے بھانپ چکا ہے تھے دل جیسے تپتے تپتے رہ کر ہوا گیا تھا۔

رات آج بھی خاصی گرمی ہو چکی تھی جب اسے اپنے بیڑہ میں جانے کا خیال آیا تھا اور گرمی میں ٹامہ دیکھتے ہوئے اندھ کھڑا ہوا تھا اپنے دوست جسٹس کو رخصت کرنے کے بعد وہ اندر آ گیا تھا۔ گرمی تو فنی لائٹس آگ ہو چکی تھیں ہر طرف گرمی بکھلا رہی تھی اور جیسا ہوا تھا وہ یہ جیسا ہے کہ نامہ اور اسے بیڑہ میں آگیا۔ بیڑہ کا وہ وہاں لاک کر کے بیٹھ تو ٹھٹھکی گئی تھی۔ نامہ کے ساتھ ساتھ کمرے کا جلیہ بھی بکھرا ہوا تھا انتہائی خوبصورتی انصاف اور ترتیب سے سجے ہوئے پھولوں کی چادر تھے قالین پر ڈھیر ہو کر سائڈ لائٹ پر رکھے گلابوں پھولوں سے گھٹ کر بکھرے ہوئے تھے۔ ڈیسک پر بھی کی بھاری بھری اور بھی تھی۔

نامہ کا لہجہ تھا صوفیہ گراہوا تھا اور کھانا صوفیہ سے لے لگ رہا تھا۔ سچائی کہیں تھے یوں نہیں تھا اور زور بھی اور زور بھی بکھرا نظر آ رہا تھا۔
 وہ ایک ایک قدم بڑھاتا آگے آ رہا تھا جب پاؤں کے نیچے کوئی چیز مرا کے رہی تھی اس نے جوگ کر قدم پیچھے ہٹا کر کھانا ہوا نامہ کا سونے کا گھر تھا جو اپنی ناخوشی پر وہ رہا تھا اس نے اپنے جوتے کو گوند اٹھا لیا لیکن اس کے بھاری قدموں کی وجہ سے اس کے کئی موٹی ٹوٹ گئے تھے اس نے ٹوٹے ہوئے موٹی اور گوند صوفیہ کے سامنے رکھی کر سلی بکھلی پھٹا کر رکھ دیا تھا۔

وہ خود بیڑہ اندر ہی لپٹی چرے یہ ٹھیکہ رکھتے ہوئے تھی ”موسو بخت کا پسندیدہ سلور کمر کا کٹا چھاپا ہوا تھا لیکن اسے کاہیہ صوفیہ پھول رہا تھا وہ کمرے میں بکھری چیزوں سے قدم بچا بچا کے رکھتا ہوا بیڑہ کے

ٹپٹا گیا تھا۔
 ”اے! اس کی بھاری آواز یا آسانی اس کے ہاتھوں تک پہنچی تھی۔

”سچ؟“ اس نے وہاں آواز دی لیکن نامہ نے مس نہ ہوئی اور جیسے ہی وہ خود اور قریب ہوا اس کی نظر نامہ کی کمرے جا گرائی تھی۔ نامہ کے اوپر پہنی ہوئی کا پھیلا گلا تھا کہ اٹھا۔ وہ دھیار بخت سلور رنگ کا ہڈ کر رہی تھی۔ نامہ کی شکل اپنی نظر جانے میں کامیاب ہوا تھا۔

”بیٹا! سوچی ہو؟“ اس نے بیٹھنے سے ہاتھ بھاگ کر اس کا ہڈ بٹایا تھا اور وہ اس کے پس سے یکدم کمرٹ کھانے لگی تھی۔

”ڈونٹ ٹیچ می مشر مونی بخت!“ اس نے انگلی اٹھا کر اسے غصہ پائی سے وار تھوڑی۔

”کیوں؟ کیا تم میری بیوی نہیں ہو؟“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں لگاتے ہوئے بولا۔

”میں ہوں میں بھاری بیوی نہیں ہوں مجھے تو نامہ یکدم چڑھا گئی۔

”تو پھر میں میرے بیڑہ میں کیا کر رہی ہو؟“ وہ انتہائی اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

”موسو بخت تو ہی ہوں اپنے کمرے کی سرب۔“ وہ چپا چپا کر بولی ”موسو بخت سرٹا اسے دیکھ کر رہ گیا تھا وہی وہی سرخ آنکھیں مٹا مٹا سا ایک ایک کمرہ میں یہ بکھرے شلڈر کٹ سکی پل اور پھر وہ بے کے اجاگر ہوئی اور وہاں ”نظر پٹ میں رہی تھی۔

”تمہارے لیے سرب ہے لیکن میرے لیے تو لکڑی کا کارہ ایک خاص نعمت ہو تمہارے اس نے گھیر لے لیا کہتے ہوئے اس کے رخسار کو ہلایا وہ اس کے ہاتھ پر اور بھڑک اٹھی تھی۔

”گما ہے تاکہ مجھے ہاتھ مت لگانا۔ ہاتھ پیچھے ہٹو۔“ اس نے سخت پھر لے لیے میں کہا تھا ”موسو بخت کے ہاتھ اس کی کمر کو چھو رہے تھے اور اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم پر پھور بک

رہے ہوں۔
 ”تو صبر نہیں ہے مجھ میں کہ میں آج کی رات پیچھے ہٹ جاؤں بلکہ جو کل کی رات گزاری تھی وہ بھی خدا جانتا ہے۔“ اس نے گھیر پو بھل لے لے میں کہتے ہوئے اسے اور زور سے بھینچ لیا تھا۔

”میں کہہ رہی ہوں مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔“ وہ پھٹکار کر کہتی ہوئی اس پر بھینچ پڑی وہ اسے اپنے ہاتھوں سے نوپنے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ اپنے بچاؤ کے لیے اس کے ہاتھ روک رہا تھا لیکن جیسے ہی اس کے ہاتھوں نے اس کی گردن پر خراش ڈال دی تھی غصہ کنٹرول نہیں کر سکا تھا اور یکدم اس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔

”جناج!“ وہ اس کے بھاری ہاتھ سے پھیر بھاگ کر کمرے قدم سے پیچھے کی طرف بیڑہ کر رہی۔

”میں ہمت ہو گیا تمہارا یہ تماشہ ہر چیز کی ایک ہمت ہوتی ہے آئی حد میں رہنا چاہیو۔“ وہ وہی بار بار کہنے سے اٹھ اڑنے لگا۔

”تم مجھے حد بتا رہے ہو؟ حد تمہارے بار کی حد۔“ وہ چہرے پر بڑے بڑے لگے پھیر کی تکلیف بھولی کر پھر بیڑہ میں بیٹھ گئی۔

”مجھے حد پار کرنے کا رشتہ تمہارے دکھایا تھا۔“ وہ زور دے کر بولا۔

”میں نے تو ایک شرارت کی تھی۔“ وہ وہاں ہی بیٹھ رہی۔

”لیکن میں نے تو کوئی شرارت نہیں کی۔ میں کل بھی بیچیدہ تھا میں آج بھی بیچیدہ ہوں۔ تم کسی بھی کورٹ میں جی جاؤ میرا تصور کہیں بھی ثابت نہیں ہوگا۔“ وہ ایک ایک لفظ چپا کر بول رہا تھا۔

”تم اتنے بھی بے تصور نہیں ہو۔“ وہ جیتی۔

”میں اتنا تصور وار بھی نہیں ہوں۔“ اس نے کہنے سے اٹھ اڑا۔

”تم چھٹاؤ گے اپنے فعل پر۔“

”میں اکل پیچھا لے گا وقت تو تمہارا ہے۔“ وہ پھر

پرسکون ہو چکا تھا۔
 "سید مہوز بخت! تم نے خسارے کا سودا کیا ہے۔"
 "ہونہ! تمہیں کیا پتا کہ سب سے زیادہ فائدہ مجھے
 ہی حاصل ہوا ہے تمہاری صورت میں۔" وہ اس کے
 سر پرے کو مسکراتی نظروں سے جانتے ہوئے بولا۔
 "موتوش قحطی ہے تمہاری۔" وہ نفرت سے بولا۔
 "یہ تو بعد کی بات ہے تلک کہ کون خوش قسم ہے اور
 کون ناکام؟ پہلے تمہیں بتاؤ کہ چیچ کر وگی یا لائیٹ بگ
 کر وگی؟" اس کے لیے اور نظروں کا مضمون وہ انجان
 ہونے کے باوجود سمجھ گئی تھی اور سمجھنے کے بعد اس
 کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی تھی اس کا خون کھل اٹھا
 تھا۔

"تم کتنا کیا چاہتے ہو؟" وہ حقارت آمیز نظروں سے
 لست دیکھ رہی تھی۔
 "جو تم سمجھ چکی ہو۔"

وہ معنی خیزی سے کہتا ہوا اس کی بہت بڑھا چکی تھی
 روک کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ "نہیں ہنگامہ غلاموں کی
 اگر تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش بھی کی تو۔" اس
 نے دھمکی دی۔

"مہوز بخت مہوزا یہ آپ کی بھول ہے کہ میں آپ
 کی دھمکیوں میں اگر آپ کو چھوڑ دوں گا اور اپنے حق
 سے دست بردار ہو جاؤں گا میں اپنے لوگوں میں سے
 ہرگز نہیں ہوں میں اپنی خد پوری کرنا جانتا ہوں اور
 بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ سیدھی طرح سے پیش
 آئیں اور نہ مجھے الٹا پیش آنے میں بھی دیر نہیں لگتی۔
 یہ تو آپ نے آج دیکھ ہی لیا ہو گا؟" وہ اسے کلانی سے
 پکڑ کر اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔

ایک مود کی طاقت سے مقابلہ کرنا اس کے بس سے
 باہر ہو گیا تھا۔ اس کی ساری جدوجہد ناکام ہو گئی تو وہ
 بے بسی سے تڑپ تڑپ کر روئے گئی تھی مگر مہوز بخت
 اس کے آنسوؤں اور سسکیوں کا بھی کوئی اثر نہیں تھا۔
 لب چاہے وہ ترقی یا بلکاتی اسے کوئی پروا نہیں تھی
 بقول اس کے اس نے اپنا حق وصول کیا تھا۔

باہر دواڑ سے پورا درنگ ہو چکی تھی لیکن وہ
 بے حس بنی بیٹھی رہی اور کوئی جواب نہیں دیا تھا پھر پھر
 میں منٹ کے وقفے کے بعد دواڑ درنگ ہوئی تھی
 اس بار درنگ متواتر ہونے لگی تھی تب ہی دواڑ سے
 پہ ہونے والی ٹھک ٹھک سے بے سداہ مہوز
 مہوز بخت کی نیند کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے
 چونک کر آگے پیچھے دیکھا وہ دونوں باتوں صوفے
 کے چارے گھٹنوں کے گرد باند لپٹے لب پیچھے بیٹھی اس کو
 دیکھ رہی تھی۔

"مہوز بخت! دواڑ کھلو۔" باہر سے عارفہ بیڈ کی
 پریشان سی آواز سنائی دی تھی اور وہ یکدم اٹھ بیٹھا تھا۔
 بیڈ کے دوسرے کونے پر رہی اپنی شرت اٹھا کر بیٹھ
 ہوئے وہ کمرے میں کھڑی چڑوئوں سے بچتا ہوا دواڑ سے
 تک آیا اور باتوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دواڑ کھل
 دیا تھا۔

"مہوز بخت! یہاں سے بیڈ کی طرح کھلا۔
 دیکھا بات ہے سب خیریت تو ہے تلک۔ میں اب
 سے دواڑ کھٹکھٹا رہی ہوں۔" میں اتنی تاخیر سے
 دواڑ کھولنے پریشان ہو رہی تھی۔

"جی سب خیریت ہے میں سو رہا تھا۔ اس لیے یہ
 نہیں چلا۔" اس نے ان کی پریشان کن گرائی چاہی۔
 "نہ۔۔۔ رات کیسی ہے؟" عارفہ بیڈ کے ذرا گھر کر
 پوچھا۔

"امور آگرو دیکھ لیجیے۔ کیسی ہے؟" وہ دواڑ سے
 سامنے سے ہٹ گیا۔
 "دیکھو کیا ہوا؟" وہ باہر سے ہی اندر کا حال دیکھ چکی
 تھیں۔

"دیکھا ہوتا ہے بھلا؟ آپ کسی ملازمہ کو بھیج دیں۔
 اگر کمرے کی صفائی کر دے۔" اس نے سر جھٹک کر
 کہا۔

"اور ناشتا؟"
 "نہیں ناشتا میں نیچے آکر ہی کروں گا۔"

"اور لسن؟"
 "اس کا ناشتا آپ لو پر بھیج دیں۔"
 "وہ آگلی ناشتا کرے گی؟"

"جی آگلی آگلی بھی کرے تو بہت ہے۔" وہ گہری
 سانس خارج کرتے ہوئے بولا اور عارفہ بیڈکام پات سمجھ
 گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں ملازمہ کو بھیجتی ہوں۔" وہ کہہ کر
 پٹ گئی تھیں اور وہ اندر آگیا۔

"آئی سہمی ہوئی کیوں بیٹھی ہو بھوک کی وجہ سے؟
 بند کی وجہ سے یا محکم کی وجہ سے؟" وہ اس کے برابر
 صوفے پر آ بیٹھا تھا لیکن اس نے پھر بھی سر اٹھا کر
 مہوز بخت کی سمت نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے سوال
 پر کوئی رسالہ کیا۔

"اگرے پار لہو دلو تمہاری مرضی توج کا دن تمہارا
 ہے۔"

وہ معنی خیزی سے کہتا اس کے باتوں کو اپنے ہاتھ
 سے پھیرتے ہوئے اٹھ کر آئی وہ صوفے میں چلا گیا ملازمہ
 کمرے میں آکر صفائی کرنے لگی تھی اور اندر ہی اندر
 حیران ہو رہی تھی کہ صاحب کے کمرے کا کیا حشر ہو گیا
 ہے۔ کوئی بھی چیز سلامت نہیں تھی وہ ٹوٹے کلچ کو
 اپنی ہاتھ لٹ سے اٹھا کر اسٹین میں ڈال رہی تھی۔

"جیکم صاحب! آپ بیڈ پہ بیٹھ جائیں میں صوفہ بھی
 صاف کر دیتی ہوں۔" مہوز نے پھولوں کی پتیوں بکھری
 ہوئی تھیں وہ ان کی کو سیٹنا چاہتی تھی لیکن اس کا پارہ
 بال ہو گیا تھا۔

"توج ہو جاؤ یہاں سے کوئی صفائی نہیں کرنی میں
 اب لگا کر جلاؤں گی سب کچھ۔" وہ ملازمہ سے چلائے
 گئی گتے میں وہ بھی دواڑ سے شاور کے آکر نکل
 آیا تھا۔

"تم جاؤ یہ کام بعد میں کر لیتا۔" اس نے ملازمہ کو
 نرے سے جلنے کا کہا۔

"جی صاحب؟" وہ سر ہلا کر چلی گئی البتہ وہ باقی
 عمارت کے کمرے کو کئی حد تک قابل قبول حالت میں

لا چکی تھی۔
 "پاگل ہو گئی ہو؟"
 "جی میں ہو گئی ہوں پاگل، مجھے تم نے پاگل کیا
 ہے۔" وہ کٹ کھلنے کو دوڑی۔
 "جس صرف دواڑ میں ہی؟" وہ اسے چلانے کے
 لیے بولا۔

اور وہ بے بسی کے اس مقام پہ آئی تھی کہ بار بار
 آنکھوں میں آنسو آرہے تھے اور بار بار روئے کو دل چاہ
 رہا تھا اس وقت بھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رو پڑی۔

"تم نے مجھے میرے لہوئوں سے دور کر دیا ہے
 مہوز بخت! تم نے مجھے سب کی نظروں میں گر لویا ہے۔
 تم نے مجھے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا۔" وہ دوتے ہوئے
 آنکھوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

"مجھے اپنی طرف سائل تم نے کیا تھا کیوں مجھے اپنی
 جھٹک دکھائی؟ کیوں راجب کیا تھا مجھے؟" وہ اسے
 دونوں کندھوں سے تھام کر جھجھوڑتے ہوئے بولا۔

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول



بساطِ دل

امہ ریاضی

قیمت۔۔۔۔۔ 500/- روپے

مکتبہ

مکتبہ عربیہ اسلامیہ، 37 - لاہور، پاکستان۔ فون: 32735021

"مجھے کیا تھا کہ تم اتنی کمزور نیت کے ہو تمہاری کوئی زبان ہی نہیں۔"

"سو کی نیت کمزور نہیں ہوتی اسے عورت کمزور بناتی ہے تمہاری طرح جھلک دکھا کر، گواہ دکھا کر۔"

دانت چرس کرولا۔

آپ سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ ملازمہ نے ہنسنے پر قراری پہنائی پھیرا۔

"لیکن رضیہ! تم ان سے کہو کہ میں صرف ایک بار۔"

"تم نے اگر اس رات وہ سب نہ کیا ہوتا تو اس وقت تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی اور سید موز بخت کی بیوی بننے پر غر کر رہی ہوتی۔" اس نے اس کے کندھوں کو جھٹک دئے کر کہا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ سری طرف سے کھٹاک سے فلان بند کر دیا گیا تھا اور یہ فلان اس کی مام نے بند کیا تھا۔ وہ اتنی دور بیٹھ کر بھی جان گئی تھی۔ وہ مام کے رویے میں کوئی پلک نہ دیکھ کر جہاں کی تکرار کر رہی تھی۔

"جو کیا ہے۔ اسے جب چاہ بھگتو اور اپنی غلطی کا الزام میرے سر مت ڈالو تمہارے اس دادیلے سے اب کچھ نہیں ہوگا غلطی کر کے بھی غلطی کو نہ مڑا۔ ایک اور غلطی ہے تمہاری۔ وہ اسے اک جھٹکے سے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹا؟ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ عارفہ بیگم رابادری سے گز رہی تھیں جب ان کی نظر فلان میں پڑی مام کی بہت اچھی تھی وہ سر جھٹکائے ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔

"میں اگر اپنی غلطی بھگتوں گی تو تمہیں بھی اپنی غلطی کی سزا بھگتنی ہوگی۔" وہ ہنسنے لگا۔

"میں تمہاری سزاؤں کے لیے تیار ہوں گی جان سے۔" وہ ڈر رنگ نچل کے سامنے گھبراہٹ سے پاؤں کو تو لے کر گرتے ہوئے بولا اور اتنا ہی قدرت سے رخ موڑ گئی تھی۔ ملازمہ اس کا ہاتھ لے کر آئی لیکن اس نے ہاتھ بھی نہیں ہینچا تھا۔

"خیریت تو ہے؟ کسی کا فلان آیا تھا کیا؟" انہوں نے اسے فلان کے قریب بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر خود کل کی ہے؟"

"جی۔"

"دکس کو؟" وہ بے سہمت بوجھ بیٹھیں۔

"مہینے مام کیڈ کو۔" وہ بھی مختصر سے جواب دے رہی تھی۔

"اچھا! بات ہوئی ان سے؟ کیا کہتے ہیں؟" عارفہ بیگم کو سن کر خوشی ہوئی۔

"کہتے ہیں کہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ انہوں نے بھی روکنا دیا ہے مجھے۔" وہ سرودھ پات لہجے میں بولی تھی۔ عارفہ بیگم کی خوشی مائل رہ گئی۔

"مگرے نہیں بیٹا! ایسا نہیں کہتے۔ تمہارے مام باپ ہیں۔ تم سے ناراض نہیں رہ سکتے یہ سب بس وقتی غصہ ہے جب غصہ اتر گیا تو انہیں سب سے پہلے تمہارا ہی خیال آئے گا۔" انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"ویڈیو کا فصد وقتی غصہ ہو سکتا ہے لیکن مام کا نہیں۔" وہ لہجے بھائی سے کم نہیں ہیں جو فلان لگتی ہیں اگر سے پیچھے ہٹا گوارا نہیں کرتیں۔"

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل اپنی مام کا نمبر زللی کر رہی تھی لیکن ان کا نمبر مسلسل آگ جا رہا تھا اور اس کے لیے زیادہ برشتانی کی بات یہ تھی کہ اس کی مام کے ساتھ ساتھ ڈیڈ کا سنی بھی سوچا تھا۔ جھٹک اگر اس نے لینڈ لائن نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔" کئی ریسیو کرنے والی اس کے گھر کی ملازمہ رضیہ تھی۔

"رضیہ! میں بات کر رہی ہوں رنج مام سے کو میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے لب و لہجے میں بے قراری نمایاں تھی۔

"موزوں بلانی جی! بی بی بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ وہ

"لیکن بیٹا! تمہارے لیے ان کے دل میں نرم گوشہ پیش رہے گا۔"

"مبوضہ! اگر میرے لیے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ ہو تو وہ کل میری زندگی کے فیصلے پر یوں چپ رہ کر ماموں کا ساتھ نہ دیتیں۔" وہ اپنی مام سے بدگمان ہونے لگی تھی اس کے خیال میں اس کی مام کو تو کم از کم اس کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔

"لیکن بیٹا! بات اصول کی اور سچائی کی تھی تمہاری مام! اس بھائی کا ساتھ نہ دیتیں تو وہ جھوٹے چہرے عارفہ بیگم نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہی کون سی قیمت آتی تھی۔ جہاں قیمت اصول اور سچائی ٹک چلی گئی تھی۔ اک اور اسی بات کو سب نے ایسا بنا کر رکھ دیا اور میرے کسی مذاق کو میرے گھر کا طوق بنوا۔" وہ لب بد سروا سے بدگمان ہو رہی تھی۔

"جیسا بیٹا! یہ سب اللہ کی رضا تھی۔ یہ قسمت تھی تمہاری اللہ کی رضا میں راضی ہونا سیکھو۔"

انہوں نے اس کی مام نہیں بلکہ مام بن کے اسے سمجھانے اور سلی دینے کی کوشش کی۔

"اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمائے گا کہ کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے کفرے کفرے ستکار کر دیا اسے فوراً اس کی غلطی کی سزا دے۔" اللہ تعالیٰ نے ماموں کا دور در گزر کا حکم بھی دیا ہے یہ بات کیوں بھول گئے تھے میری مام کے بھائی صوفی انیاس صاحب؟

وہ لفظ جپا کر بولی تھی اور عارفہ بیگم چپ ہو گئیں بات تو اس کی بھی درست تھی۔ وہ کیا کہیں؟ اس معاملے میں تو ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک ثابت ہوا تھا۔

"موز اچھا تو آپ اور آپ کے بیٹے نے بھی نہیں کیا میں اس کی حرکت کبھی معاف نہیں کر سکی اس نے مجھے میری ہی نظموں میں گر لویا ہے مجھے کسی کو حرد کھانے کے قائل نہیں چھوڑا! قدرت ہو گئی ہے مجھ اپنے آپ سے لودہ باقی سب سے بھی۔"

وہ تنگی سے کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"اندر کمرے میں جو میٹھن تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" انہوں نے آہستگی اور نرمی سے اطلاع دی۔

"تج شام تمہاری شادی کی ر۔ پشٹن ہے؟"

انہوں نے اسے جیسے یاد دلایا۔

"میں نہیں جاؤں گی اور نہ ہی میں تیار ہو رہی ہوں۔" اس نے فوراً انکار کر دیا اور لانی سے نکل رہی تھی جب عارفہ بیگم نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"نہیں بیٹا! ایسا مت کرو ایک غلطی تم سے ملے ہوئی اور ایک غلطی تم اب کر رہی ہو۔ سمجھو وار اور عقل مند رہی ہو تا ہے جو ایک ہی بار غلطی کرے اور پھر سدھر جائے۔ تم اپنی پہلی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کرو اور مزید غلطی کرنے سے پرہیز کرو۔ عارفہ بیگم نے اسے ہاتھ اس طرف سے سمجھایا کہ وہ ٹھیک گئی تھی۔

"کل ہزاروں لوگوں نے باتیں کیں، سوال کیے، سرگوشیاں کیں لیکن جیسے ہی کسی کل بکھل کر گمراہ کیا تم اب پھر جا ہو گی کہ لوگ باتیں کریں سوال ڈہرائیں اور تمہاری غیر موجودگی پر سرگوشیاں کریں؟" وہ اسے ایک سوالیہ نشان دے کر چلی گئی تھیں اور وہ کتنی ہی دیر جن قدموں پہ کھڑی تھی ان قدموں سے مل نہیں سکی تھی اور جب قدم بے تو ان کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا جہاں یو میٹھن اسے تیار کرنے کے لیے انتظار میں بیٹھی تھی۔

ریج خاموشی سے آگڑورنگ نچل کے سامنے بیٹھ گئی اس کے کمرے میں لودہ لڑکیاں بھی موجود تھیں لیکن وہ ان سب سے انجان تھی سولے نامہ لودہ نشا کے کل شام رخصتی کے بعد سب سے پہلے ان ہی کا تعارف ہوا تھا کہ وہ سید موز بخت کی بچاڑو بیٹھیں ہیں۔ اسی لیے ہر کام میں پیش پیش نظر آ رہی ہیں۔

اس وقت بھی نامہ اپنی نگرانی میں دلن تیار کروا رہی تھی لودہ یو میٹھن اس کی ہدایات پر عمل

کر رہی تھی جبکہ وہ خود چپ چاپ روٹ کی طرح بیٹھی بیرونی مشین کی ہوتی تھی۔

”یہ اس لہنگے کی بچنگ چوڑی ہے۔“ ٹائمر نے الماری سے چوڑی نکال کر ڈرنک ٹیبل پر رکھی۔ اور جب وہ تیار ہو کر لوگوں کے ساتھ نیچے اتری تو عارفہ بیگم کے قدم ٹھک گئے تھے اور وہاں موجود کئی لوگوں کی آنکھیں خیر ہوئی تھیں۔ مٹی شیڈز کے لہنگے میں اس کی وہ حیار نگہ اور چمک دار جلد سب کی آنکھوں کو خیر کر رہی تھی اور اس پہ اس کے چمکے عین نقش اس کی خوبصورتی کو وہ آفتاب دیکھ رہے تھے۔

”مام اور تفتی دیر ہے۔ ڈیڈ دیار فون کر چکے ہیں؟“ موز بخت بے دھیانی میں اندر داخل ہوا تھا لیکن اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا اس کے قدم بھی ٹھک گئے تھے۔

”چلو دیر ہو رہی ہے۔“ انہوں نے اسے چونکایا تھا لیکن مریج بل پہنچنے تک اس کی نظریں دھنکے دھنکے سے اس کی سمت اٹھتی رہی۔ انہیں یہی تو اس کی خوبصورتی تھی تو حسن کی ایک جھلک نے ہی اسے ہی پاگل بنا دیا تھا اور اس کے پاگل بن کے نتیجے میں گزرتا اس کے ہر لمحہ تھی۔

”بھابھی کے گھروں نے نہیں آئے؟“ دہتر سے کولڈ ڈرنک کا گلاس تھامتے ہوئے حسان نے موز بخت سے سوال کیا تھا۔

”نہیں۔“ اس کا جواب مختصر تھا۔

”کیوں؟“

”تم اچھی طرح جانتے ہو۔“ لیکن یار بھابھی کے مام ڈیڈ کو تو ان کا خیال کرنا چاہیے اگلوٹی بیٹی سے اس طرح تعلق تو ولیدہ حیرت کی بات ہے۔ حسان کو رینج کی تھلائی اور اکیلے پن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اتنے زیادہ لوگوں میں انجان اور اکیلی تھی۔

”حسن کی بیٹی ہے؟ نہیں پروا ہونی چاہیے۔“ موز

نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

”مقصود وار تو تم بھی ہو مگر صرف بھابھی کو کیوں مل رہی ہے۔ تمہاری وجہ سے ان کے سارے رشتے چھوٹ گئے اور تم ٹھانڈے سے بیٹھ کر انجوائے کر رہے ہو۔“ حسان نے خنکی سے کہا۔

”گھوٹے یار ایس بس۔ اپنے لوچے اور شاپے تک ہی رکھو اگر اس نے سن لیا تو یہاں اتنے سارے لوگوں میں بھی بنگلمہ چاکے رکھ دے گی۔ وہ تو پہلے ہی کوئی اپنا ہم قواؤ جوڑ رہی ہے۔“ موز بخت نے اسے

پہ دھنکے بیٹی بیٹی رینج کو مسکراتی ہوئی نظر سے دیکھا تھا۔ اس کی گزرتا دھنکے کے ساتھ تصویریں بنواری تھیں۔

”صوفی الیاس صاحب سے پھر کوئی رابطہ ہوا تم لوگوں کا؟“

”نہیں یار! لیکن میں کوشش کروں گا کہ سب ٹھیک ہو جائے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہوں ہوں ابھی چاہیے۔“ حسان نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”موز بخت یہاں کیا کر رہے ہو؟ ریسٹنا۔ سب ش تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“ سید فیوز بخت ان کے قریب آتے ہوئے خنکی سے بولے۔

”صوفی الیاس صاحب نہیں آئے؟“ یہی مسلمانوں نے بطور خاص پوچھا تھا۔

”ابھی تک وہ نہیں پہنچے۔“ موز بخت نے دیر تک آجائیں

گئے۔ ”سید فیوز بخت کو مجبوراً مانا کرنا پڑا تھا حسان

اک نظر موز کو دیکھ کر گیا تھا۔ لوگوں کے طرح طرح کے سوالوں کے جواب بننا پڑ رہے تھے۔

شادی کا بنگلمہ سودا ہوا تو ہر طرف خاموشی اور سنائے چھا گئے تھے۔ موز بخت اپنے بابا کے ساتھ برنس اور آفس میں مصروف ہو گیا تھا اور وہ اپنے پیٹنے کی ہو کر رہ گئی تھی دو تین بار عارف بیگم نے اسے باہر تھکنے کا گھونٹے پھرنے کا مشورہ دیا لیکن وہ ایک بن سے سن کر دوسرے سے لٹل رہی تھی جو غلطی

چھین اس کے دل میں ہوتی تھی کہ اسے دن رات چھین نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ اپنے لیے تڑپ کر اٹھ بیٹھتی تھی اور بیٹھتی ہوئی تو یکدم کھڑی ہو جاتی تھی۔ سکون کی خیر اور اطمینان کے لمحے اس کی دسترس سے نکل چکے تھے۔

اسے اپنے ضمیر پر ایک بوجھ رکھا محسوس ہوتا تھا جسے وہ ہٹا نہیں پاری تھی اور اس بوجھ کے ہاتھوں مجبوراً آج پھر فون سیٹ کے قریب چلی گئی تھی لیکن فون ڈیڈ پر تھا۔

”تفت! اسے بھی کچھ ڈیڈ ہونا تھا؟“ وہ ریپورر کیڈل پر پہنچ کر ہار نکال گئی۔

پورا دن اس نے گھر میں چکر لٹے ہوئے گزار دیا تھا۔ عارفہ بیگم کہیں کام سے ٹی ہوئی تھیں۔ شام سا بج

جے موز بخت کی واپسی ہوئی تو وہ اسے لان میں بیٹھی

نظر آئی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف چلا آیا۔

”سلام علیکم! وہ سلام کرتے ہوئے اس کے

ہاتھ والی کڑی پہنچنے کے پیشہ گید۔ وہ خاموش رہی

تھی۔

”موز بخت! سلامتی ہی بھیج دو اب ایسی بھی کیا ناراضی

کہ بندہ سلام کا جواب بھی نہ دے؟ اس نے گاڑی کی

چابی درمیانی ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”تم؟ سلامتی میں بھیجوں؟“ وہ زبردستی لہجے میں

بولی۔

”تمہارا شو ہر ہوں؟ تم سلامتی نہیں بھیجی تو اور

کون بھیجے گا؟“

”میرا شو ہر تمہارے جیسا گھٹیا اور کمینہ ہو گا میں

نے بھی سوچا بھی نہیں تھا۔“ وہ نفرت بھرے لہجے میں

نکل رہی تھی۔

”موز جس نے سوچا تھا میں اس کا شو ہری نہیں

ہی۔“ وہ شرارت سے ہنسا تھا۔ رینج کے چرے پہ اک

نوریک سارایہ لہرا گیا تھا۔ اس کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا اور

اس کے اثرات دیکھ کر وہ بھی سنجیدہ ہونے لگی تھی۔

”گھٹنا موبائل دو مجھے۔“ اس نے موز بخت کی

گھٹنا موبائل دو مجھے۔“ اس نے موز بخت کی

گھٹنا موبائل دو مجھے۔“ اس نے موز بخت کی

گھٹنا موبائل دو مجھے۔“ اس نے موز بخت کی

گھٹنا موبائل دو مجھے۔“ اس نے موز بخت کی

گھٹنا موبائل دو مجھے۔“ اس نے موز بخت کی

طرف ہاتھ بڑھایا۔

”کیوں خیریت؟“ وہ اسے گہری نظر سے دیکھتے

ہوئے بولا۔

”میں فون کرنا چاہتی ہوں۔“ قاطمہ سے بات کرنا

چاہتی ہوں۔ اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ سنا تم

نے؟“ وہ یکدم غصے سے بھڑکتے ہوئے چیخ اٹھی۔ وہ

انتہائی فرسٹریشن کا شکار ہو چکی تھی۔

”کوئی قاطمہ نہیں ہو گا۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں نے آج صوفی الیاس صاحب کو کل کی تھی انہوں

نے لا معاف میں سلام دعا کرنے کے بعد فون بند کر دیا

تھا۔ میں نے دوبارہ کل کی تو کہنے لگے کہ وہ دوبارہ اس

موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے۔“ وہ کافی ٹھہرے

ہوئے انداز میں بتا رہا تھا۔

”لیکن میں فون سے نہیں قاطمہ سے بات کرنا چاہتی

ہوں۔“ وہ بے بسی سے بولی تو موز بخت نے حجب سے

اپنا سانس نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا اور وہ ٹیبل

کر رہا تھا۔ اسے اٹھ کر اندر کرے میں آگئی تھی۔ اس

نے صوفی الیاس صاحب کے گھر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

ان کے گھر میں موبائل فون گا تو تصویر بھی نہیں کیا

جاسکتا تھا۔ بس لیڈ لائن فون کا سیٹ تھا ان کے گھر کے

فون کا زبردستی پیشہ لاک رہتا تھا۔ کل جا سکتی تھی لیکن

آج نہیں سکتی تھی کیونکہ بقول ان کے ان کا گھر بیٹوں

والا گھر تھا اور بیٹوں والے گھر میں ایسی احتیاط ضروری

تھی۔ یہ فون کے نظریات تھے!

”سلام علیکم! وہ ساری طرف خدیجہ مملانی کی آواز

سنائی دی تھی۔

”و علیکم السلام مملانی جان! میں۔“ میں رینج بات

کر رہی ہوں۔“ وہ۔ میں قاطمہ سے بات کرنا چاہتی

ہوں۔“ اس کا لہجہ بے ربط سا ہو گیا۔

”دوسری طرف سے ایک لفظ کے بغیر فون کاٹ دیا

گیا تھا۔ اور وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے بیٹھی رہ گئی۔

آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ جب اس کی نظر ہاتھ

میں پکڑے موبائل پہ آکر ٹھہر گئی تھی اور اعصاب تن

گئے تھے۔” یہ وہ منہ خوس جس نے میری قسمت کو

گئے تھے۔” یہ وہ منہ خوس جس نے میری قسمت کو

گئے تھے۔” یہ وہ منہ خوس جس نے میری قسمت کو

گئے تھے۔” یہ وہ منہ خوس جس نے میری قسمت کو

گئے تھے۔” یہ وہ منہ خوس جس نے میری قسمت کو

گئے تھے۔” یہ وہ منہ خوس جس نے میری قسمت کو

بد قسمتی میں بدل دیا۔ اس نے غصے سے کہتے ہوئے موبائل اپنی پوری قوت سے دھواڑ دے مارا تھا۔ اندر آیا تو اس کا موبائل کئی حصوں میں ٹکرا ہوا نظر آیا تھا۔

”تم اگر یہ سوچ رہی ہو کہ سب کچھ اتنی جلدی ٹھیک ہو سکتا ہے تو یہ ناممکن ہے۔“ ان کا کافی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ وہ اس کی سمت پشت کیے آنکھوں پر بازو رکھے سونے کی کوشش کر رہی تھی یا اینٹنگ کر رہی تھی لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔

”زخمی ہل رہے تھے یا جسم؟ اسے بھرنے میں تھوڑا ٹائم لگتا ہے، تم بھی اس زخم کو تھوڑا ٹائم دو، پھر ممکن ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے۔“

وہ زخم لیمپ کی روشنی میں بیکراؤن سے ٹیک لگائے، ہم دروازہ بیٹھا اتن کی پشت پر نظریں جمائے ہل رہا تھا۔

”میری شہزادی معافی مانگتی ہوں، میں بھی کوئی اثر نہیں دکھائے گی، اس لیے اپنے آپ کو سنبھالو اور حوصلے سے باہر لو، صبر سے اچھے وقت کا انتظار کرو، وقت اگر کئی چیزوں میں شدت لاتا ہے تو کئی چیزوں میں بھی لاتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے مام ڈیڈ کے غصے میں کمی ضرور ہوگی۔“ وہ اسے حوصلہ دے رہا تھا، انتہائی نرم اور ٹھہرے ہوئے انداز میں۔

”میری بیوی بنا تمہاری قسمت میں لکھا تھا ورنہ یہی سوچ لو کہ شادی کے روز تک میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ تمہارا نام نہیں جانتا تھا بلکہ فیس نوٹیس ایک دو سرے کو دیکھا بھی نہیں تھا پھر بھی ہم ایک دوسرے کے ہم سفر بن گئے، شاید اسی چیز کا ہم قسمت ہوتا ہے اور اسی کو لوگ نصیب کہتے ہیں۔“ وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

”میں تم سے مخاطب ہوں۔“ اس نے نباہتا ہوا ہمارے انکلیاں اس کے باطن میں پھنسا دیں۔

بے حس و حرکت رہی رہی البتہ اندر ہی اندر آنسو بہنے کی جھڑکی لگی ہوئی تھی۔

”تم واقعی ٹھیک کہتی ہو، میں بھی قصور وار ہوں لیکن یاد رہے میں مجبور ہوں میری بچپن سے عادت ہے کہ مجھے جو چیز پسند آجائے میں اسے ہموار نہیں سکتا اور نہ ہی اپنی ضد سے پیچھے ہٹ سکتا ہوں اور تمہارے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔“

وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے بولا۔

”چیزوں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔ تم نے صرف اپنے متعلق سوچا۔ میرے جذبات کا نہ سوچتے ایک لمحہ کے لیے اس ٹرکی کے بارے میں ہی سوچ لیتے جو یوں بیٹھ چکی تھی۔ لب شادی نہ ہونے پر لوگ مٹی باتیں پٹا میں گے۔“

”مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے لیکن میں تمہیں اپنا بدلہ چکا تھا کب چھوڑ نہیں سکتا تھا۔“

”تمہارے بچتے ہوئے اس کے لہجے ٹھہرے اور لا پرواہی سے نظر اٹھ گیا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے وہ اس کے ہوشیار حسن سے واقف نہ ہونے اور نظر نہ کرنے ہونے پھر قہقہہ شادی کے روز سے لے کر اب تک اسے بھولنا نہیں تھا۔ آج پھر اس کی لاپرواہی اسے بے ایمان کر رہی ہو۔“

”جہل تو تم ہی تھی ہو، بند کسی اور طرف دیکھنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔“

وہ اس کے سر پرے کو گہری اور زور دہنی نظروں سے دیکھ کر بولا تھا۔ ریح اس کی نظروں کے تعاقب میں اپنا حلیہ دیکھ کر شگفتگی میں فوراً لاپٹے کی تلاش میں دیکھا تھا۔

”جب کیا کاغذ؟“ وہ مسکرایا۔

وہ گستاخی پہ آگاہ تھا۔ اس نے بچنے کی کوشش کی لیکن بچا نہ سکی اس کے شکم میں پھر پھڑکے رہ گئی اور وہ گستاخی کا ارتکاب کر بیٹھا تھا۔ اس کی بات کا مقصود گھوم پھرنے کا تھا۔ آیا تھا جہاں وہ لانا چاہتا تھا۔ آج پھر اس کو قابو کر چکا تھا اور وہ سارے بچن کر کے بھی اس کے اختیار سے نکلنے میں ناکام رہی تھی۔ اس نے

مرگت مضبوط تھی۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر اس کا چوپیلے یوز کی طرح سوجا ہوا تھا۔ توجہ دلت بھی وہ خوب روٹی تھی جب ہی اس کی آنکھیں سرخ اور پونے بھاری ہو رہے تھے۔ اس نے ایک دو بار اسے کن آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر اپنے ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی نظر اب کئی وقت تک رہے گی۔

”آج کل ریحہ بیٹی کی کیا مصروفیات ہیں گھر میں؟“ سید فیروز بخت نے اس کی خاموشی نوٹ کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ چائے میں جھج بلاتے ہوئے چوکی۔

”میرا دل خوش کرنا۔“ وہ سرگوشی میں بولا اس نے قہار نظروں سے اسے دیکھا۔

”اس کا نام ریحہ نہیں ریح ہے ریح کا مطلب ہے بار بار یہ عمل کا لفظ ہے۔“ عارفہ بیگم نے شوہر کی مضبوطی میں اضافہ کیا۔

”ماشاء اللہ۔ بہت پیارا نام ہے، میں تو اتنے دنوں سے یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید ریحہ نام ہے اور سب پیار سے ریح کہتے ہیں۔“ وہ گوشی سے کہتے ہوئے غصے۔

”نہیں۔ اس کا نام ہی ریح ہے۔ ریح احمد۔“ عارفہ بیگم نے پورا نام بتایا۔

”ریح احمد نہیں ریحہ سوز گوی۔“ وہ غصے سے کہنے لگا۔

”میرے نام کے ساتھ ریح احمد ہی سوٹ کرتا ہے۔“ وہ غصے سے کہنے لگی۔

”نہیں۔ اس کا نام ہی ریح ہے۔ ریح احمد۔“ عارفہ بیگم نے پورا نام بتایا۔

”ریح احمد نہیں ریحہ سوز گوی۔“ وہ غصے سے کہنے لگا۔

جکے تھے وہ اپنے ساتھ اس کا ہر وہیہ برداشت کر سکتا تھا لیکن لپٹے میں باپ سے لڑائی تو اڑ میں بات کرنے کی بھی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

”اس لوگے بیٹا! وہ صرف بات ہی تو کر رہی ہے۔“ سید فیروز بخت نے لاپرواہی سے سر جھٹک کر مہوز کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

”بات کرنے کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ ڈیڈ! یہ شاید سب کو اپنے جیسا ہی سمجھتی ہے بن سیریس۔“ مہوز کو اس کے نسب و نسب پر کافی غصہ آیا تھا۔

”مہوز بخت کو نفرت سے دیکھتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی اور وہ دونوں اسے سمجھانے کے لیے بیٹھ گئے تھے۔“

”وہ جن حالات سے گزری ہے اس کا آپ سوچ ہوتا جائز ہے۔“ انہوں نے رسل سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”آپ اس کی ساری زندگی سے ہیں حالانکہ غلطی اسی کی ہے۔“ ان کا آپ میٹ ہے تو وہ غموں کو کیوں لپٹ میٹ کر رہی ہے۔

”بار بار اسے اس کی غلطی کا احساس دلا کر تاراج مت کرو، اس طرح تو وہ پاگل ہو جائے گی، نفسیاتی مریض بن جائے گی۔ اس سے نفرت کرنا اپنے لیے مشکل پیدا کرنا ہے۔“

انہوں نے جن صاف اور واضح لفظوں میں اسے سمجھایا تھا۔ مہوز کتنے ہی لمحے ان کی بات پہ چپ بیٹھا رہ گیا۔

”جو ڈیڈ پریشان ہوگی۔“ انہوں نے اسے ہیڈ روم میں جانے کا اشارہ کیا۔

”مہوزی۔ میں آغوش سے لیٹ ہو رہا ہوں، یہ چوٹے پھر کسی وقت ہو جائیں گے۔“

وہ گود میں رکھنا ہی نہیں کر سکتا تھا اور برف کیس اٹھا کر باہر نکل گیا چند سیکنڈ بعد اس کی گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دونوں بھی چپ ہو گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

درویش دم سے شلور لے کر پارنگلی تو اس کی نظر بیڑہ رے چھوٹے سے ڈسپے پہ گئی اور اس کے قدم بے ساختہ بیڑہ کی سمت اٹھے تھے اس نے ٹولید بیڑہ ڈال کر ڈبہ اٹھالیا۔ یہ مہاکاں سیٹ تھا بیڑہ بیک اور باہر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ ”سزریج مہوڑ“ اس نے ملازمہ کو توازدی۔

”جی بیگم صاحبہ؟“

”یہ کس نے بھیجا ہے؟“

”جی چھوٹے صاحب نے بھیجا ہے ان کے اخس سے ڈرائیور آیا تھا دینے کے لیے“ ”تپ نما رہی تھیں اس لیے میں نے بیڑہ پر رکھ دیا۔“

”چھوٹے دونوں سے ان کے درمیان بات چیت بند تھی۔ وہ تو پہلے بھی اس سے بات نہیں کرتی تھی لیکن اب وہ بھی بات کا سلسلہ ختم کیے ہوئے تھا اس لیے کڑشتہ روڈ سے بیڑہ دم میں خاصی خاموشی کا عالم ہوتا تھا۔ راولی چین بنی چین لگ رہا تھا۔ لیکن وہ اس کی اس حمایت کو چپ چاپ قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے قدم باہر کی سمت اٹھنے لگے تھے۔ وہ پہلے پاؤں سیٹ موبائل کا ڈبہ ہاتھ میں پکڑے نیچے آگئی تھی اور فون سیٹ کے پاس رکھی ڈائریکٹری اٹھا کر اس کے اخس کا نمبر دیکھا اور ڈائل کر لیا تھا۔

”ہیلو۔“ اس کی مصروف سی آواز سنائی دی اور ریج احمد کے دل پہ جیسے کوئی آرائیل کیا تھا۔ یہی گیسر آواز وہ فون پہ ایک بار پہلے بھی سن چکی تھی۔

”ہیلو۔“ وہ ریجور کی دوسری طرف خاموشی پا کر ٹھکا۔

”میں ریج احمد بات کر رہی ہوں۔“ وہ خود میں بہت مجتہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

”ان ایس سمجھا فاطمہ ایسا بات کر رہی ہیں۔“

”وچوٹ کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔“

”فاطمہ ایسا تم جیسوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔“ وہ حقارت سے بولی۔

”ریج احمد تو مجھ جیسوں سے بات کرنا پسند کرتی ہے؟“ مہوڑ بخت نے برکت جواب دے کر پل میں

حساب بے باقی کر دیا تھا۔ ریج کے تن بدن کو آگ بھڑکی تھی۔

”مجھے یہ بتا نہیں تھا کہ تم اتنے گھلیا انسان ہو اگر پتہ ہو تا تو بھی تم سے بات نہ کرتی۔“

”لیکن مجھے تم سے بات کرتے ہوئے پتا تھا کہ تم کتنی اعلا ہو“ اسی لیے تو تم سے بات کی تھی میری جان!“ وہ مزے لیتے ہوئے بولا۔

اور ریج نے تھملا کر یکدم ریجور کی سیٹل پہ بیٹھا تھا وہ لب بچھے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تمام کر بیٹھ گئی۔ ابھی چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ فون پہ رنگ ہونے لگی چند سیکنڈ وہ یونسی دیکھتی رہی پھر ریجور اٹھا لیا تھا۔

”ہیلو۔ مہوڑ بخت بات کر رہا ہوں۔“

”جانتی ہوں دنیا میں ایک ہی کم طرف ہے۔“

”تم نہیں جانتی کہ تو اور کون جانے گا؟ میری کم طرفی کے تمام ہتھیاروں سے واقف ہو تم۔“ وہ خمار کھو لکے میں بولا۔

”تم نے مہاکاں سیٹ بھیجا ہے؟“

”ہاں بھیجا ہے۔“ ”کس لیے میں نے تم سے مانگا تو نہیں؟“

”لیکن مجھے تو پتہ ہے میں کہ تمہیں کس کس چیز کی ضرورت ہے اور موبائل بھی تقریباً“ ”رج کل کی ضروریات میں شامل ہوتا ہے۔“

”مجھے تو اور بھی بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔“

”کس کس کو پورا کرو گے؟“ وہ عجیب سے لکے میں بولا۔

”تم اپنی ضرورت کی چیزوں کی ایک لسٹ بنا کر دیکھتے ہیں کہ میں کیا پوری کر رہا ہوں اور کیا نہیں۔“

”تھو میری چیزوں کی لسٹ۔“ ”ریج دل میں بھلنے کیا اٹھان چکی تھی وہ شاید مہوڑ بخت کو بیچ کرنا چاہتی تھی۔

”گاڑی بلیک سیلون۔“

”ہوں بلیک سیلون کیا بلیک کے بجائے وائٹ سے کام نہیں چل سکتا۔“ وہ لکھتے ہوئے بولا۔

”نہیں۔“ مجھے بلیک پسند ہے میں پہلے بھی بلیک استعمال کرتی رہی ہوں۔“ وہ سختی سے بولی۔

”مہوڑ یارا کچھ ڈیئر آگئے ہیں۔ یہ لسٹ بھلنے کا کام میں گھر کے کرلوں گا ابھی فون بند کرنا ہوں۔“

مہوڑ بخت کے لہجے میں اچانک غلٹ آگئی تھی۔

”بس! اتنی جلدی؟“ اس نے طنز کیا اور مہوڑ بخت مسکرا کر اس کی مسکراہٹ دیکھنے لگی۔

”بس اتنی جلدی نہیں ہوتی ابھی تو شروعات ہے، ابھی تم نے مانگا ہی کیا ہے بھلا؟ کوئی ایسی چیز مانگو جسے مانگنے میں تمہیں مزہ آئے اور مجھے دے کر خوشی ہو۔“

”ابھی دے۔“ بانی ہاتھ پھر سی۔ تم ڈرائنگ روم کی گلاس وال کا پرہ ہٹا کر ہاتھ پھر سوچو کہ تمہیں

اور کس چیز کی ضرورت ہے اور بلی کیا مانگنا ہے۔“

وہ کہہ کر فون بند کر چکا تھا۔ ریج احمد اس کی بات سے الجھ گئی تھی اور پھر بے ساختہ ڈرائنگ روم کی گلاس وال سے پرہ ہٹا کر ہاتھ دیکھا تھا۔

باہر گیسٹ کے سامنے والی روش بلیک گھر کی سیلون کھڑی تھی۔ چمکتی دیکتی نمونہ گارنٹ ہوتی زیرو میٹر

دور سے ہی لگ رہا تھا کہ شوروم سے سیدھی بیس لائی گئی ہے!

”ہو نہ! یہ سب کر کے میری نظر میں تم اچھائی کی کوئی سند نہیں پاسکتے۔ سید مہوڑ بخت!“ اس نے

بڑھاتے ہوئے منگے سے پردے برابر کو دیکھے اور وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

آج سڈے تھا اور اخس سے چھٹی تھی رات لیٹ باٹ سوئے کی وجہ سے وہ دن چڑھے تک سو رہا تھا اور ابھی سو ہی رہا تھا کہ ریج گاڑی کی چابی لے کر

باہر نکل آئی تھی۔

”ماں جاری ہو بیٹا؟“ عارفہ بیگم نے اسے حیرتی سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”ڈرائیوٹ۔“ وہ دو ٹوک کہتی آگے بڑھ گئی اور چند سیکنڈ میں اس کی گاڑی فرارے بھرتی ہوئی گیسٹ سے

نکل گئی تھی، لیکن عارفہ بیگم کو اس کے تپوں سے خطرے کی بو آئی تھی وہ لکے قدموں مہوڑ کے بیڈ روم میں آئیں۔

”مہوڑ! اٹھو۔“ انہوں نے اس کا کندھا ہلایا۔

”جی ماں!“ وہ غیر سے بیدار ہوا تو ان کی پریشان صورت دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

”کیا ہوا؟“ خیریت تو ہے؟“ وہ یکدم اٹھ بیٹھا۔

”ریج گاڑی لے کر نکلی ہے پتا نہیں کہاں گئی ہے؟“

بارکیٹ کا کما ہے اس نے۔“ عارفہ بیگم خشک ہو رہی تھیں اور پریشانی تو مہوڑ بخت کو بھی ہو گئی تھی وہ بیڈ سے اتر گیا۔

”کہاں جاسکتی ہے وہ؟“ اس نے شرٹ پہنتے ہوئے حیرانی سے کہا اور موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا رنگ جاری تھی لیکن وہ کل ریجور نہیں کر رہی تھی۔

”میں انیڈ کرو رہی ہوں!“ اس نے اس کے نمبر پر میسج لکھ کر میسج کیا لیکن اس نے میسج کا بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”کل انیڈ کرو ورنہ مجھے خود تمہارے پیچھے تانا پڑے گا۔“ اس نے دوسرا میسج بھی میسج کر دیا تھا۔

مگر جواب نہ آیا۔

”وہ خدیجہ آگئی کی طرف گئی ہوگی۔“

”میں نے پتا کیا ہے لیکن ابھی تک تو وہ وہاں نہیں پہنچی لیکن مہوڑ کو یقین تھا کہ ابھی گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا اور پیچھے عارفہ بیگم پریشان ہوتی رہ گئی تھیں۔

ابھی ابھی گھر میں صوفی ایسا صاحب کی گاڑی داخل ہوئی تھی اس لیے گیٹ ابھی کھلا ہوا تھا اور ریج احمد بیوی آسانی سے گاڑی اندر لے آئی تھی۔

”کی بی بی! آپ کو گاڑی اندر لانے کی اجازت نہیں ہے۔“ چوکیدار بلیک کے اس کے قریب آیا۔

”میرے لیے تم نے گیٹ نہیں کھولا میں خود اندر

تکی ہوں، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سرد آواز سے کتنی اندر دھکی گئی اس کا رخ ڈراؤنگ رویہ کی طرف تھا۔

"فاطمہ! اس نے سامنے صوفے پر بیٹھ کر کشنوز کے کورچر حاتی فاطمہ کو بے تہی سے پکارا۔
"ریح" فاطمہ یک دم صوفے سے کھڑی ہو گئی، اس کی گردن میں رستے تمام کورڈ نیچے زمین پر گر گئے تھے۔

"فاطمہ! میں تم سے ملنے آئی ہوں، تم سے بات کرنا چاہتی ہوں، پلیز میرے دل پر رکھاؤ جو ہلکا کر دو۔" ریح رو بائیں لیجے میں کھتی ہوئی فاطمہ کے قریب چلی گئی۔
"میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" فاطمہ رخ موڑ گئی۔

"پلیز فاطمہ! میں نے کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، میں نے بس ایک مذاق کیا تھا، ایک شرارت کی تھی، بھڑا میری اس میں کوئی باقاعدہ پلاننگ یا نیت شامل نہیں تھی۔ میں ایسا کرنے کا سوچ ہی نہیں سکتی تھی نہ جاننے کیسے، مجھ سے فاطمہ کی ہونٹیں میری غلطی معاف کر دو، فاطمہ! پلیز! میں تمہاری وہی ریح ہوں جس کی توازن کر رہی تم خوش ہو جاتی تھیں جس سے تم گھنٹوں باتیں کر کے بھی بور نہیں ہوتی تھیں، کج میری غلطی کی وجہ سے منہ مت موڑو، میں تمہاری طرف سے سزا کی نہیں معافی کی خواہش گاروں میں بہت بری ہوں، لیکن تمہارا چہرہ؟"

ریح احمد کہتے کہتے رو پڑی تھی، فاطمہ نے بے ساختہ پلیٹ کر اس کی سمت دیکھا تھا، فاطمہ کے رخساروں پر بھی بے آواز آنسوؤں کی تحریر رقم تھی۔
"فاطمہ! ہم اندر جاؤ۔" صوفی الیاس کی بارعب دنگ قسم کی آواز سنائی دی تھی۔ ریح کا چہرہ یک دم زرد پڑ گیا تھا، فاطمہ کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ باپ کے سامنے ٹھہر سکتی ہو، اندر چلی گئی۔
"فاطمہ! رو کو پلیز۔" ریح پیچھے لپکی تھی۔
"آگے قدم مت بڑھاؤ، لڑکی! تمہارا اس گھر میں داخلہ منع ہے، تمہیں چوکیدار نے نہیں بتایا؟" کن کی

آواز اور انداز اتنا سرد تھا کہ ریح احمد کو اپنے جسم بوجھن ٹھہرتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

"میرا ہم لڑکی نہیں ریح احمد ہے، میں کوئی غیر نہیں آپ کی بھانجی ہوں۔"
"اس سے پہلے کہ میں تمہیں باہر چھوڑ کر دوں، شرافت سے خود ہی چلی جاؤ۔" صوفی الیاس کتنی اور بیگانگی کی حد کر رہے تھے۔

"جو غلطی مجھ سے ہوئی آپ کی کسی بیٹی سے ہوئی ہوئی تو بھی آپ یہ ہی کچھ کرتے اسے دھکے دے کر نکال دیجئے؟" ریح کا بوجھن کھلے ہو گیا تھا۔

"مگر یہ حرکت میری کسی بیٹی سے ہوئی ہوتی ہوگا، کلث کے اسے کھڑے کھڑے قبر میں اتار دیتا ہوں، سول جواب کرنے کا موقع نہ دیتا اسے۔" کن کا لہجہ غضبناک اور باتھلا۔

"ہو نہ ہو یعنی آپ مجھے بھانجی ہی سمجھتے ہیں بیٹی نہیں، اس سے تو بہتر تھا کہ آپ میرا گلا گتھرتے تھے، قبر میں اتار دیتے، لکڑی بدگمانی اور بکثرت کی مار تو نہ مارتے؟" وہ روتے ہوئے ہوئی۔

"میری بیٹی تمہارے جیسی بانجار نہیں ہو سکتی۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" انہوں نے غصہ میں اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا۔

"آرام سے بات کیجئے صوفی صاحب! یہ کوئی غیر نہیں ہمارے ہی گھر کی بیٹی ہے۔" خدیجہ مہمانی وہ۔
کیس کور ریح کے سامنے آئی تھیں۔

"خدیجہ! خدیجہ! بی بی! میری صرف چار بیٹیاں ہیں جو میرے گھر میں عزت سے رہ رہی ہیں، اس سے کہو جمل سے آگے وہیں چلی جائے، نکل جائے یہی سے میرے ضبط کو پتہ آئے۔" وہ یک دم دھماکا اٹھتے ہوئے لور گھر کے دروازے پر پہنچا تھا، گھبرا گیا تھا۔

"ریح! ریح کے عقب سے موز بخت کی آواز ابھری تھی۔ انہوں نے چونک کر دیکھا، خدیجہ مہمانی اپنا دھبہ دست کرنے لگی تھیں۔

"لے جاؤ اس کو یہاں سے۔" صوفی صاحب نے قنارت سے پوچھے۔

"لینے ہی آیا ہوں صوفی صاحب! چھوڑنے نہیں آتا، موز بخت نے آگے بڑھ کے ریح کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"بیوی! ہے تمہاری، دھیان رکھا کرو کہ کہاں آجا رہی ہے؟" وہ طنز اور کات دار لہجے میں پوچھے۔

"جامع مسجد کے امام صاحب کے گھر آئی ہے۔ کسی غلب یا غاشی کے آگے پہ نہیں گئی کہ آپ مجھے دھپان رکھتے کا طعنہ دے رہے ہیں۔" موز بخت کا بوجھن سے بھی زیادہ کٹھنار تھا۔

"زین منجیل کے بات کرو سید موز بخت! ہمارا لہرا کوئی واسطہ نہیں کہ تم ہمارے منہ لگو۔" وہ تپ لگتے۔

"میں آپ کی بیٹی سے شادی کرنا تب میرا اور آپ کا واسطہ ہوگا، لیکن آپ کی بھانجی سے شادی کر کے میرا اور آپ کا واسطہ نہیں رہا، یہ ہی بتانا چاہتے ہیں نا آپ؟"

"موز بخت! پوچھنے پہ آیا تو اس نے بھی کوئی بوجھار نہیں رکھا تھا۔

"ہاں سے میں نے سب کے سامنے باقاعدہ شادی کر دی ہے، گھر سے بھاگ کر نہیں کی کہ سارے خاندان نے لکڑی ترک کر دیا ہے۔"

"لافظ چہا چہا کر بول رہا تھا اور صوفی الیاس صاحب کا غضب آہن کو چھوٹے لگا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ خدیجہ پیچھے ہٹے موز اسے لپے ساتھ کھینچتا ہوا پلیٹ گیا تھا۔

"چھوڑو مجھے، مجھے بات کرنے دو، میں فاطمہ سے بات کرنے کی چاہوں گی۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کا کوشش کی تھی، لیکن وہ اسے زبردستی کھینچتے ہوئے گانہ تک لے آیا تھا، اپنی گاڑی کا فرسٹ ڈور کھول کر اسے اندر دھکیا اور خود ڈرائیو تک سیٹ منجیل لی تھی۔ ساتھ ہی اپنے گھر کے ڈرائیو کو فون کر دیا کہ وہ صوفی صاحب کے گھر سے ریح کی گاڑی لے آئے۔

"گھر کیوں آئے ہو؟" وہ موز بخت بھڑکی۔
"اپنی بیوی کی خبر رکھنے، میں گا دھیان رکھنے۔" وہ

خدیجہ جواب دیتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ سب کیا دھرا تمہارا ہی ہے۔"
"میرے کیے دھرے کا سبب تم ہو۔"
"کاش! میں مر جاؤں۔" وہ دھکے سے بولے۔
"آئی ڈونٹ کیئر! میں دوسری شادی کروں گی۔"
اس نے اسے چھیڑا تھا اور ریح بے بسی سے دونوں ہاتھوں میں چھو چھپا کر رو پڑی تھی۔

بہت دن ہو گئے تھے ریح احمد کی طرف سے خاموشی رکھتے اور سننے کو دل رہی تھی کوئی شور نہ لگے، کوئی دلوڑا نہیں ہو رہا تھا، خاموشی سے جیب چھاپ جیج اٹھتی تھیں، شاکر کی پورا دن یوں ہی گھر میں گھومتے پھرتے گزار دیتی اور سر شام ہی سونے کے لیے لیٹ جاتی تھی وہ کل دونوں سے اس کی روکھی پھٹکی سی دو تین لوٹ کر رہا تھا، لیکن جان بوجھ کر اسے ڈسٹرب نہیں کر رہا تھا کہ وہ پھر سے مشتعل نہ ہو جائے، اس کا ارادہ تاج اس کے ساتھ نہیں کہیں باہر ڈنر کرنے کا تھا، لیکن کچھ ہی دیر میں اس کے پیچھے افسانہ بخت کے گھر سے فون آگیا، وہ موز اور ریح نورلت ڈنر کے لیے اپنے گھر آواہن کر رہے تھے۔

موز نے قدر سے پس دیش کے بعد ہائی بھولی۔
"اوکے بیٹا! شا اسات پہنچے پہنچ جانا گاؤں کا راستہ خراب ہے۔" انہوں نے فون بند کرتے ہوئے تاکید کی تھی۔

اس وقت چار بجے کا وقت ہو رہا تھا۔
وہ آگے سے سیدھا گھر پہنچا تھا۔ عارفہ بیگم اسے جلد آتے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

"ہم نے گاؤں جانا ہے۔ چاہاجی نے انوائٹ کیا ہے، نہ نہیں تا کر اور آگیا تھا۔
دروازہ کھولا تو وہ سامنے رائیگ جیڑ پہ جموتی ہوئی نظر آئی۔

"السلام علیکم۔" ہمیشہ کی طرح اس نے خود ہی سلام کیا۔
"اتم ٹھیک ہونا؟" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ

گیلا۔ "مجھے کیا ہونا ہے، یہی سخت جان ہوں میں۔"

راجہ ہوتی۔

"میں تم سے کچھ کہنے آیا تھا۔" وہ جانتا تھا کہ اسے اپنے ساتھ لے کر جانا کسی چٹائی کو سر کرنے کے برابر ہو گا۔ اس لیے تمہید باندھی تھی۔

"میں بھی تمہارے انتظار میں تھی۔" وہ سر کر رہی تھی۔

کی ایک سے نکلتے ہوئے ہوں اور نظریں پھٹتے گاڑ دیں گے۔

"میرا انتظار کیا مطلب؟" موز بخت چوٹا تھا۔

رداں رواں ہمت بن گیا۔

"مجھے کہیں بارہ لے چلو میرا دل گھبرا رہا ہے۔" وہ بڑی شکستگی سے بولی۔ لیکن موز بخت کی حالت شلوئی مرگ جیسی ہو رہی تھی۔ دل و دماغ سرشاری کا وہ نکل گیا تھا۔ لیکن اپنی کیفیت کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ بھرم کی چادر سے لپیٹ دیا تھا۔

"کیوں طبیعت تو ٹھیک ہے، بیماری؟ یا پھر ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟" وہ ہنسنے لگا۔ لیکن چہرے کے قریب آگیا۔

"ڈاکٹر کے پاس نہیں، بلکہ کسی ایسی جگہ لے کر چلو جہاں مجھے میرے اپنے یاد نہ آئیں۔" راجہ ان کی ہمت یاد آ رہی ہے، ٹھیک لگتی ہوں۔" وہ ہنوز شکست خوردہ انداز میں بولی رہی تھی۔

"تو پھر اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔" موز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا اور وہ نہ جانے کس کیفیت میں تھی کہ چپ چاپ تیار ہونے لگی تھی۔ لیکن اس نے کوئی خاص تیاری بھلا کر لی تھی جس کی ترے تبدیل کیے تھے۔ گورباٹل میں برش پھیر کر آگئی۔

"ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"تو اور کیا؟"

"کوئی چوڑی، کوئی میک اپ وغیرہ؟"

"نہیں۔ میرا موز نہیں ہے۔"

"لیکن راجہ؟" وہ اصرار کرتے کرتے رک گیا۔

"کوئی۔ ٹھیک ہے، چلو۔" وہ خود بھی تیار ہو چکا

تھا، لیکن راجہ ٹھیک لگتی تھی۔ موز بیڑھیاں اتر کر اپنے چاکا تھا اور وہ ڈیڑھ منٹ تک بچل کے سامنے کھڑی رہی۔ آپ کو دیکھ رہی تھی اور چند منٹ بعد جیسے جیسے اسے اسے دیکھ کر موز کی نگاہیں گم مسم ہو گئی تھیں۔ راجہ اور بلیک تھی۔ نیشن کی پارڈر والی لانگ شرٹ اور پاجامے میں وہ دیکھ رہی تھی۔ میچنگ چوڑی اور اسٹیک نے چار چار لگا دیے تھے۔ وہ بے ساختہ مسکرتا تھا۔

"تھینک یو۔" اس نے گاڑی نکالتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھتا چاہتی ہوں کہ تمہارا دکھان کر مجھے کچھ ملے ہو یا ہے؟" اس نے اس تیاری کی وجہ پتلی۔

"تو پھر کیا ملے ہو؟" وہ گردن موز کر دیا۔

"سچ پوچھو تو میں اس وقت کچھ بھی نہیں کر رہی، بلکہ بہت دن ہو گئے ہیں میں نے کل کرنا چھوڑ دیا ہے، مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا دل بند ہو گیا ہے۔" موز ٹیپٹ لور سے تاثر کھینچنے لگا تھا۔

"نہیں لگ رہا اور برا برا نہیں لگ رہا؟" جیسے کسی کی آگئی ہے۔ دل پہ دور نہ تم خود سوچو، کیا کبھی میں تمہارے کہنے پر یوں تیار ہو سکتی ہوں؟ یا پھر کچھ بھی پوچھو، تمہارے ساتھ جاسکتی ہوں؟"

اس نے کتنی لا پرواہی اور بے نیازی سے موز بخت کی خوشی ملیا میٹ کر کے رکھ دی تھی۔ اس کا دل جڑ کر راکھ کر دیا۔ اسے اسٹیرنگ پہ مکا رہتے ہوئے گاڑی کی اسپڈ بڑھا چکا تھا اور راجہ نے بار بار ہر کی روشنیوں میں ہوتی تھی۔

"تکلیف ہوئی ہے سن کر؟" اس نے ہنسکی سے سوال کیا۔ انداز بھی بھی ملا تھا۔

"نہیں ہوئی ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"اور مجھے تو اتنے عرصے سے مسلسل ہو رہی ہے ہر روز ہوتی ہے، ہر رات ہوتی ہے، میں سو نہیں پاؤں اور تم سو جاتے ہو، میری راتیں نہیں دیکھتے ہوئے گزرتی ہیں، سوچتی ہوں، تمہیں کب کوئی درد ہے؟ اور تم کب راتیں جاگ کے کھڑے ہو گے؟ تب تمہیں میرا احساس ہو گا، اس بوجھ کا احساس جو تم

اپنے نہیں لے پھر رہی ہوں۔"

راجہ کا کوجہ ٹھہرا ہوا، لیکن لفظ تیر کا انداز لے ہوئے تھے تو کدو اور چبھتے ہوئے۔

"راجہ! تم نے خواہ مخواہ اپنے اعصاب پہ یہ سب ماری کر لیا ہے، ورنہ جو قسمت میں تھا وہی ہوا ہے، اب تک پچھتو، کدو لگائے رکھو؟" موز کو اس کا ایک سی باتوں سے الجھن ہوئی تھی۔

"ایک گلاس پانی پانو، مجھے پیاس لگی ہے۔" وہ نشو سے ملے تھے، آیا پیسہ پوچھتے ہوئے بولی، موز کو اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔ اس نے کینٹ سے پل نکلی کر دیکھی، لیکن یوں خالی تھی۔

"تھو لو۔" وہ پریشانی سے لور لور دیکھنے لگا کہ قریب ترین کھانے سے مل سکتا ہے؟ گاڑی کی تھوڑی اور اسپڈ بڑھائی تو اسے پیٹ بول پپ نظر آیا تھا۔

"دشمنوں سے بچا ہوا۔" موز گاڑی سے اتر کر پیس کی ایک ٹیپٹ میں چلا گیا اور اتھلی ٹیپٹ میں حمل و اثر کی بول نے گردنیں آگیا۔

"راجہ! اس نے اس کا محل چھپا۔"

"ہوں؟"

"یہ لو پنا بیو۔" اس نے ڈسٹین کھول کر یوں اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔ اسے واقعی شدید پیاس لگ رہی تھی وہ غٹا غٹ پانی پی گئی۔

"آر یو آل رائٹ؟" موز نے اس کی پیشانی بھرتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں۔" اس نے رائٹ۔" وہ اپنے اعصاب کنٹرول کرنے لگی تھی۔

"کیا ہوا تھا؟"

"جس یوں ہی دل گھبرا گیا تھا شاید گرمی کا احساس ہو رہا ہے۔" وہ گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے بولی۔

"پرس ٹھنڈا ہوا کا جھوٹا انداز آیا تھا۔"

"تھو لو، ہمت نہیں کہ ہم ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں؟"

"موز تو تیش ہو رہی تھی۔"

"نہیں، میں اب ٹھیک ہوں۔"

"تو کدو کھانے کے لیے کچھ لو، اپنا برگر وغیرہ؟"

"یا پھر جوس؟"

"نہیں۔ کچھ نہیں چاہیے، البتہ جلیاں جارہے ہو، ان کے لیے کچھ لے لو۔" اس نے ہنسکی سے کہا، موز چونک گیا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ ہم کیوں جارہے ہیں؟"

"نشا اور نامہ کی کل لگی تھی، ان میں۔" راجہ نے رسائی سے جواب دیا۔

"اوہ تو تمہیں پتا تھا۔" وہ ہونٹ سیکڑ کر رہ گیا، اس کا دل بے آواز ہو چکا تھا، یہ لڑکی اسے پل پل پاگل بنا رہی تھی، کبھی تو کہہ بھی پائے۔

"ہیں اک تمہارا پتا نہیں تھا، ورنہ تو ہرجے کا پتا تھا۔" وہ دم مسمی تو اڑشیں بڑھاتی۔

"ظہور میں سمجھتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں سمجھ سکتا۔"

وہ بھی آہستگی سے کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ راجہ نے خاموشی سے پلکیں موز کر میٹ کی ایک سے سر لگایا تھا اور پھر پانی کا سفر خاموشی میں گزر گیا، یوں ہی پلکیں موندے اس کی ہم سفر رہی تھی، چپ اور خاموش۔

"بھابھی! نشاپک کے اس کے قریب آگئی اور والیٹہ انداز میں اس سے لپٹ گئی۔" تکی ایم سوہیں، آپ آج پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں، مجھے یقین نہیں آیا، روز خواب میں دیکھتی تھی کہ موز بھائی آپ کو لے کر ہمارے گھر آئے ہیں، لیکن موز ہی خواب ٹوٹ جاتا تھا۔"

نشا اپنی عادت کے مطابق نانا لٹاپ شروع ہوئی تھی اور راجہ اس کا خوش اور خوش دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اسلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں آپ؟" نامہ بھی آگے بڑھ کے اس کے گلے ملی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں، آپ سنا میں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیسی ہو پنا؟" ترہت بیگم تھی آگے بڑھ کے اس

سے ملیں اور اس کے ساتھ ہی پار کیا تھا؟ افسوس کہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر اندر لے گئے تھے۔

"میں نے سات بجے کا گناہا تم آٹھ بجے پہنچے ہو" ایک محنت لیٹ کیس ہو گئے؟ "انہوں نے صوفے پر بیٹھے ہوئے انتظار کیا تھا" سوڑنے ایک نظر رینج کو دیکھا اس کا دھیان نشا کی باتوں کی طرف تھا۔

"تیس گھر سے نکلتے ہوئے اور تیزی کرتے ہوئے ہی گم لگ گیا۔" وہ راستے میں رینج کی طبیعت خراب ہونے کی بات چھپا گیا تھا۔

"بھابھی! آپ اتنی پیاری ہیں بالکل پرانی لگتی ہیں جو راستہ تنگ کر دیا میں اتنی ہے۔"

نشا اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی اور اتنے عرصے میں بولی بار رینج بے ساختہ انداز میں کھینچا کر اسی گھر میں جس پہ سوڑ بخت کے ساتھ ساتھ باقی سب نے بھی چونک کر دیکھی تھی۔

"دیکھ رہے ہو اپنی بہن کا کل؟" احتشام بخت ہنسے تھے۔

"جی رکھ رہا ہوں اور اپنی بہن کو انعام دینے کو دل چاہ رہا ہے" نشا "سوڑ نے جیب سے والٹ نکالتے ہوئے اسے توازی دی۔

"جی بھائی؟" وہ دوسری بولی۔

"یہ تمہارا انعام؟" اس نے والٹ سے ہزار ہزار کے چکر لٹ نکال کر اس کی سمت بڑھا دیے۔

"انعام؟ کس چیز کا؟" وہ حیران ہوئی۔

"سامری نیت نہیں پوچھتے ہیں رکھ لو۔" سوڑ نے سب کو متوجہ دیکھ کر بات گول کر دی تھی۔

نشا نے فوراً "جیسے تمام لے لے تھے اور پھر سوڑ کے قریب جھک کر بولی۔ "مجھے پتا چل گیا ہے کہ یہ کس چیز کا انعام ہے؟" سوڑ ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسے۔

ہو گیا تھا کہ لڑکیاں ان سے ذرا قافلے پہ ذرا تنگ دم کے گول حصے میں غور کھنڈ یہ ہنسی ہوئی تھی۔

"تپ کی ہسی کا انعام ملا ہے مجھے" تھوڑا اور فس دیں "میرا کلیدوار چل لگے تپ" وہ رینج کے گن میں

سرگوشی کرتے ہوئے بولی رینج کی نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے پیسوں پر گئی تھی۔

"مچورے پانچ ہزار ہیں ہیٹ لٹائل سے سوڑ لپٹ گیا۔" نشا نے اپنی پلاٹنگ بتائی اور رینج کے برتنوں کو مسکراہٹ چھوٹی تھی۔

"اگر میں کہوں کہ یہ پیسے واپس کر دو تو؟" اس نے نشا کے تاثرات جانچے۔

"نہ بایاں گھر آکر دولت کون کھراتا ہے؟" "میں تمہیں دس ہزار روپے کی اس سے بھی زیادہ

کر کر لے لوں۔" رینج نے لڑائی لڑا تھا۔

"بھابھی! میں لوٹا نہیں ہوں کہ پھر جاؤں یہ انعام مجھے میرے بھائی نے دیا ہے" میرے لیے یہ بھی غلط ہے۔

"اس دفعہ رینج کو ہری جھنڈی دکھائی تھی۔

"بھئی تو آج چشم ہو یا راسخس نے غلطی سے۔"

"تو تا چشم نہیں دیکھا ہوں وہاں بارہ شعر تو تپ نے سنا ہی ہو گا کہ کسی ایک کا بن کے رہنا بھی ہو جاتا

ہوا کرتی ہے۔ اپنا بھی کچھ یہ ہی معاملہ ہے۔" اس نے فریضی کار کھڑے کیے تھے۔

رینج تپ بڑی تھی اس کا موڈ تھوڑی سی بدتر ہوئی کافی اچھا ہو گیا تھا اور اسی موڈ کے ساتھ انہوں نے نشے

مسکراتے ہوئے کھانا کھایا تھا۔

"بھائی! آپ لوگ ذرا تنگ دم میں جا کر بیٹھیں اور بھابھی! آپ پلیز میرے ساتھ یہ برتن پیٹھیں شہ

کریں شام کے کھانے کے برتن میٹھے کی ذمہ داری میری ہوتی ہے۔"

نشا کا انداز لاہور اس کا ہاتھ رینج کے ساتھ باقی سب بھی تنگ گئے۔

"نشا! تربیت یکم نے اسے تنہا ہی تھوڑے سے دیکھا۔

"تو نہ دیکھی ہی اب بھابھی کوئی غیر نہیں ہیں۔" "لیکن نشا بھابھی یہاں مسلمان ہیں یہ کیسا لگتا ہے؟" نشا نے رینج کے ہاتھ سے برتن لیے چاہے۔

"ارے نہیں نشا کی خوشی ہے تو کیا حرج ہے؟" رینج نے نامہ کو راستے سے ہٹایا اور برتن اٹھ کر

میں چلی گئی "نہ سب نشا کی باتوں اور حرکتوں پہ جتنے ہوئے ذرا تنگ دم میں تھے جبکہ وہ دونوں برتن میٹ رہی تھیں۔

میں لہا جلا کر چائے کا پانی بھی رکھ دیں میں تب تک تیل صاف کرتی ہوں۔" اس نے ایک اور کام سوچا رینج نے چائے کا پانی ہی نہیں رکھا بلکہ چائے بھی پلا تھی۔ تب وہ دوبارہ کچن میں داخل ہوئی تھی۔

"چائے تیار ہے۔"

"میں بھی تیار ہوں۔" نشا انٹرنیٹ پر لگے کپا تار کر

لوں میں چائے اٹھانے لگی۔

"آپ یہ چائے لے جائیں میں کچن میٹ کر بھی آ رہی ہوں۔" اس نے کپ ٹرے میں سجا کر

زیر رینج کے حوالے کی۔

"گھر کے مہمانوں سے کام کر لے کا اچھا طریقہ ہے یا راسخس نے اسے غلطی سے گھورا۔

"آپ کو مہمان کس نے لکھا؟" نشا شرارت سے بولی۔

"مجھے کام لینے کا یہ اچھا طریقہ ہے۔"

"جائیں اب۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ سوڑ بولی گرم چائے تپیں ٹھنڈی نہیں۔"

رینج نے ذرا تنگ دم میں اگر سب کو چائے سوڑ کی تھی اور سوڑ بخت اسے اس روپ میں دیکھ کر

خوش کھانے کے قریب ہو رہا تھا۔ کیا یہ وہی رینج احمد تھی جو ہندو گھٹے پہلے انتہائی شکستہ لگتی تھی۔

"چائے! اس نے ٹرے سوڑ کے سامنے کی۔

"نہیں نکس۔" وہ بے ساختہ بولا۔

سوڑ اگر ہنسنے لگا "نہایت یکم نے اسے اپنے قریب موٹے پہنچنے کا اشارہ کیا۔ لا سہلا کر ان کے قریب آگے بیٹھ گئی۔

"اتنا عرصہ ہو گیا آپ لوگ شرکیوں نہیں آئے؟" شادی کے بعد اس نے ایک بار بھی ان لوگوں کو نہیں دیکھا تھا۔

"یہاں تو نہیں آتا جتنا بھی تو ممکن نہیں ہوتا؟ اور پھر تمہارے چچا صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ شکار

کھیلنے سندھ پہنچے تھے "آج مجھے دل نہیں آتے ہیں۔" "آپ کا کوئی بیٹا؟" رینج نے ان کے گھر میں بیٹے کی کی محسوس کرتے ہوئے پوچھا اور پوچھ کر جھجک بھی گئی تھی۔

"باشا! اللہ! دونوں بیٹوں سے بڑا ایک بیٹا ہے ہمارا"

پانچ سال پہلے پڑھنے کے لیے امریکہ بھیجا تھا لیکن وہ وہاں شادی کر گئے ہیں کا ہو کر گیا ہے مجھے پلے اپنی

اعزیز ہوئی کے ساتھ ملنے کیا تھا۔ لاہور پہنچے نہ کر چکا گیا"

سوڑ جب وہاں تھا تو اس نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں پہ سفید چڑی کی پٹی

بندھی ہوئی تھی اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا سوائے اپنی گوری سیم کے پاکستان میں کیا کچھ ہو رہا ہے اسے

ذرا بھی نظر نہیں آتا "نہانہ کلید سل پہلے نکال دیا تھا لیکن وہ لوگ ابھی تک شادی اور رخصتی کی بات نہیں

کر رہے تھے "نشا! الگ ہے۔"

نہایت یکم نے بغیر کسی گئی اپنی کتے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"دیکھیں رخصتی کیوں نہیں ہو رہی؟" اسے حیرت ہوئی۔

"میں لڑکے کی بہن ہمارے بیٹے کی منگیتر تھی پتا جب عصام ان کی بیٹی چھوڑے گا تو کیا وہ ہماری بیٹی

نہیں چھوڑیں گے؟" انہوں نے اپنے بیٹے کا نام لے کر کہا "لیجے میں آ رہی تھی۔"

"نہ تو یہ تو واقعی بہت سنگین اور حساس معاملہ ہے" جہاں نامہ کا ڈنکل ہوا ہے "وہ کون لوگ ہیں؟"

رینج کو سن کر پریشانی اور افسوس ہوا تھا۔

"وہ کوئی غیر نہیں میرے اپنے ہیں بیٹا! میرے بگے بھائی لیکن میرے بیٹے کی غلطی کی سزا میری بیٹی کو

دے رہے ہیں نہ طلاق کا کہتے ہیں نہ رخصتی لگ میں تو اپنی بیٹی کی بچہ بہن گئی ہوں۔"

نہایت یکم کا لہجہ بھگ گیا تھا اور رینج کا دھیان کہیں سے کہیں چلا گیا تھا مصیبتی بیان صاحب بھی تو

اس کے ماموں ہی تھے "اس تک ای کے بگے بھائی" لیکن...

تھی مہروز نے چائے ختم کی اور کپڑے رکھتے ہوئے کمر ہو گیا۔
 ”چلیں؟“ اس نے ریتچ سے کہا۔
 ”کہاں جا رہے ہو؟“ افسانہ بخشت کو حیرانی ہوئی۔
 ”مہروز دیکھ رہے ہو؟“
 مہروز نے فوراً ”کلاک کی سمت دیکھو۔ ساڑھے گیارہ کا ٹائم ہو رہا تھا۔“
 ”تو پھر؟“
 ”تو پھر یہ کہ تم لوگ رات میں روکے رہیں جاؤ۔“
 ”لیکن چاہاں؟“ مہروز تذبذب کا شکار ہو گیا۔
 ”کب لیکن لیکن کہیں کہیں سے آگیا؟“ ہم نے ہلے ہی تمہارے لیے بیڈ روم سیٹ کر دیا تھا“ اگر آرام کرنا چاہتے ہو تو کمرے میں چلے جاؤ۔“ انہوں نے اشارہ کیا۔
 ”آرام کی طلب تو واقعی ہو رہی ہے،“ منجھ سے افسانہ میں بیٹہ بیٹہ کڑھک گیا۔ ”مہروز نے ممکن کا عزت نامہ کیا تھا۔“
 ”تو جاؤ پھر نشا! اپنے بھائی کو بیڈ روم میں چھوڑ دو۔“ انہوں نے اشارہ کیا اور خود بھی آرام کرنے رخصت سے کمرے ہو گئے تھے۔ نشا مہروز کو بیڈ روم تک مہروز کو رہیں آئی“ آج اس کا ٹارگٹ ریتچ تھی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب ریتچ بیڈ روم میں آئی تھی مہروز گہری نیند سو رہا تھا وہ بھی اگر موشی سے سونے کے لیے لیٹ گئی اور نیکے سر کھتے ہی اسے ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے اور کہاں

صبح آگے کھلی لوک پنے گردن اندوں کا حصار محسوس ہوا اس نے آنکھیں پھیلایا کر دیکھا تو مہروز کے سینے کی سوری تھی اسے ایک دم کرنٹ چھو گیا تھا وہ اسے اس کے حصار سے نکل گئی۔ جس کی وجہ سے وہ بھی بیدار ہو گیا۔

دیکھا ہوا "صبح صبح کتنے کرنٹ کیل بار رہی ہو؟" وہ
کئی کے من زور اسالو پچا ہوا تھا بغیر شرٹ کے اس کے
سلاز بہت نمایاں ہو رہے تھے "اس وقت تو وہ اسے
کسی بڑی بلڈریس کم نہیں لگ رہا تھا ریح نظر چرائے
مجبور ہو گئی تھی اور ڈرنک ٹینک ٹیبل کے سامنے کھڑے
ہو کر اپنا حلیہ درست کرنے لگی تھی۔

"یار! رات اتنی دیر لگئی تم نے آنے میں میں
انتظار کرتے کرتے سو گیا۔" موز نے اس کے عقب
سے آکر جو اس کے بالوں میں چھپانے کی کوشش کی
تھی۔

"مجھے اگر پتا ہوتا کہ تم ہمیشہ کے لیے گری فینڈ سونا
چاہتے ہو تو میں جلدی ہی آجاتی۔" اس کے پاس بھی
بس تیز دھار الفاظ کا ذخیرہ تھا۔

"کیوں اپنے بچے کو جیم کرنے پہ تلی ہوئی ہو؟"
موز آنکھیں بند کرتے ہوسے بھاری گہچر آواز میں
بولتا اور ریح کو نگا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کوئی سنسنی بول
تی ہو اس کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔

"ہی؟" "بجھل ڈال پائی تھی۔"

"تم کیا سمجھتی ہو کہ تم یہ بات مجھ سے چھپاؤ گی؟"
وہ اس کے گلے سے اپنا گال مس کرتے ہوئے بولا۔

"ہم۔۔۔ تم۔۔۔ ایسا تو کوئی بات نہیں ہے وہ بے ربط
ساہلی تھی۔"

"مگر میں جانتا ہوں تاکہ ایسی ہی بات ہے۔" وہ
پریقین لہجے میں مضبوطی سے بول رہا تھا۔

"لیکن اس نے کچھ کتنا چاہا تھا اور موز بخت نے
اسے ہاتھوں کے دھارے سے آڑو کرتے ہوئے اس کا
رخ اپنی بہت موڑ لیا اور اس کا چہرہ تمام کر لوں تھا گیا۔

"اب میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو کہ
ایک بات نہیں ہے۔" موز کا انداز سخت تھا اور اس کی
بے بسی کا پالہ چھلکنے کو تھا کہ دروازہ پہ دستک ہونے
لگی۔ وہ ایٹ گیا تھا اور ریح احمد جن قدموں پہ کھڑی
تھی پھر برکتی تھی وہ شخص بات بھی چلن گیا تھا جو وہ
اپنے آپ سے بھی چھپائے پھر رہی تھی "اسے کئی
دنوں سے اپنی کیفیت پہ شک ہو رہا تھا" لیکن وہ ہر بار

اپنے شک کو مٹا جاتی تھی وہ شک پہ یقین کی مہر نہیں لگاتا چاہتی تھی مگر موزعہ سخت اس کے دل کے پاتال میں چھپے اس راز کو بھی نکال لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لن لوگوں نے ہاشم کیا اور پھر ان کی واپسی کا سفر شروع ہوا تھا، لیکن ریح کے خاموش آنسو بہہ رہے تھے، اس کا ردھیاں اپنی ماں کی طرف تھا وہ کتنی آسانی سے اس سے انجمن ہو گئی تھیں، کتنی آسانی سے انہوں نے اسے بھلا دیا تھا۔ بچے دو تین روز سے اسے لن کی یاد شدت سے آری تھی اور لن کی کمی بھی شدت سے محسوس ہو رہی تھی، اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب وہ اس کی ذرا ذرا سی تکلیف پہ تربہ لگتی تھیں اور ہر وقت اسی کی فکر میں لگی رہتی تھیں ایک اچھی ماں کی صورت۔

”ریح! اٹھ کر شاور لے لو میں نے تمہارے لیے ہاشم کیا ہے۔“

”اچی جلدی؟“ وہ بے زار ہوئی۔

”جی۔۔۔ الیاس بھائی آ رہے ہیں، ہم سے ملنے۔“

انہوں نے آگلی سے کہا۔

”کیا؟ صوفی الیاس صاحب آ رہے ہیں مگر کہا؟“

وہ سنبھلتے ہوئے ہوئی۔

”نہیں، میں لاہور میں کوئی کام تھا، کل شام سے گئے ہوئے ہیں، شاید کسی جماعت کے ساتھ آئے تھے، آج وہیں اسلام آباد جانا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم سے مل کر جائیں گے۔“

”لیکنہ پیگم نے نرمی سے بتایا۔

”صرف مل کر جائیں گے یا کوئی لیچر بھی دے کر جائیں گے؟“ ریح نے غیر سنجیدگی سے کہا۔

”بس کہہ دو ریح! جلدی سے تیار ہو کر نیچے آؤ۔“

وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو لیکنہ پیگم جہز ہو کر وہاں تھیں۔

”لب کہا ہوا ہے؟“ ریح کو بے زار ہوئی۔

”کوئی اور کپڑے نہیں تھے پینے کے لیے؟“ انہوں نے

نے جیتور اس کے اوپر پتے وائٹ بلیپ کو ناگواری سے دیکھا۔

"میرے سارے کپڑے ایسے ہی ہیں اس!"

"لیکن بیٹا! لباس بھائی کو ایسا لباس پسند نہیں ہے"

انہیں دیکھ کر غصہ کئے جگ۔

"نام نہیں لینے گھر میں ہوں گان کے گھر میں نہیں اور دے بھی دے تھے اس لباس میں پہلے بھی دو تین بار دیکھ چکے ہیں، آج پہلی بار نہیں دیکھیں گے۔" اس نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے جوس کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا دیا۔

"جیکم صاحب صوفی صاحب آئے ہیں۔" ملازم نے اندر آکر اطلاع دی۔

"اس لباس بھائی آگئے؟" سیکند جیکم چونک گئیں۔

"تم بھی ناشتا جلدی کر کے آجاؤ۔" وہ اپنا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتی ہوئی پورا انگ دھوم میں آگئیں۔

"اسلام جیکم بھائی صاحب! آج کے کچے میں احرام تھا اور نظر نہ تھی۔"

"جیکم السلام سیکند! آؤ بیٹھو۔" انہوں نے بہن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا سائیڈ والے صوفے پر اجیر صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیسے ہیں آپ؟" سیکند جیکم کے لیے پور انداز میں احرام ہی احرام تھا۔

"اللہ کا کریم ہے تم سب ناؤ۔"

"جی میں بھی ٹھیک ہوں خدیجہ بھابی اور بچیاں کیسی ہیں؟" انہوں نے گھروالوں کے متعلق پوچھا۔

"اللہ نہ۔ سب ٹھیک ٹھاک ہیں تمہیں سلام کہہ رہی تھیں۔"

"جیکم السلام میری طرف سے انہیں پیار دیجیے گا بہت دن ہو گئے ان سب سے ملے ہوئے اب اسلام آباد کا چکر لگاتوں سے مل کر ہی لوں گی۔" سیکند جیکم مسکرا کر بولیں۔

"قائلہ تمہیں اور ریحی کو مت یاد کرتی ہے۔"

"تو اس سے کہا کریں تاکہ فون پہ بات کر لیا کرے۔"

"نہیں سیکند! فون کے رابطے میں ٹھیک نہیں سمجھتا۔"

"تو ہم کر لیا کریں گے؟" سیکند جیکم نے طریقہ دھوڑا۔

"نہ ضروری بھی نہیں جب اسلام آباد آئی ہو تو ان سب سے ملاقات تو ہو ہی جاتی ہے نہ سہارن؟"

فون والی لائن پہ نہیں آ رہے تھے سیکند جیکم سمجھ گئی تھیں۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ریحی بیٹی نظر نہیں آ رہی؟" انہوں نے بہت کاش بد لنے کے لیے پوچھا۔

"وہ ناشتا کر رہی ہے ابھی آجاتی ہے۔"

"اس وقت ناشتا؟"

"جی قریب منہ ہے کوئی پور شل سے چھٹی تھی اس لیے ذرا ایسا بھی ہے۔" سیکند جیکم نے پچاسات ہوئے وضاحت دی۔

"ہوں!؟" وہ صرف ہول کر کے رہ گئے تھے۔

"اسلام جیکم! پور شل جان! ریحی ناشتے کے بعد سیدھی بیٹیں آئی تھیں۔"

"جیکم السلام۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن اس کے لباس کو دیکھ کر ان کے چہرے پہ ناگواری کے سائے پھیل گئے تھے۔

"قائلہ کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"کبھی لاہور لے کر آئیں نا اسے؟" ریحی نے فرمائش کی۔

"وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی۔"

"کیوں کوئی برا کہہ رہی ہے؟"

"وہ آزلو نہیں گھومتی۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

"یعنی قید ہے؟" ریحی نے مطلب اخذ کیا۔

"پتا گھر قید نہیں ہوتا۔"

"آپ پیشہ کے لیے کسی ٹینک سی جگہ پر بند ہو کر جائیں تو وہ قیدی ہوتی ہے چاہے اپنا بیڑہ دم ہی کیوں

نہو۔" وہ بھی ان ہی کی بھانجی تھی۔

"ریحی! سیکند جیکم نے سرزنش کی۔

"مورہ۔" اس نے فوراً مورہ بھی کر لیا اور لڑنے میں اس کا موبائل بچنے لگا تھا۔

"ہم کبھی کبھار۔" وہ معذرت کرتی ہوئی اٹھ کر لڑتی ہوئی تھی۔

"مورہ یار فارینہ میں مورہ تھی مجھے یاد ہی نہیں تھی میں تم لوگ روک میں آ رہی ہوں۔" اس نے کسی بہت سے بات کی اور فون بند کر دیا تھا۔

"ہام! میں کچھ باہر کر دوں گی قاریہ وغیرہ کے ساتھ بد کر ہم سے ہو سکتا ہے لیٹ بھی ہو جاؤں۔" اس نے اپنی ماں کو اچھے کید۔" مورہ کے ڈیڈ خدا حافظ ماموں جان!"

وہ ہاتھ بالا کر کھڑی تھی اور صوفی انیاس صاحب ہوا غلوں سے اس کی پشت کو گھورتے رہ گئے تھے۔

یہ دیکھتے آرام سے ماں باپ سے اجازت لیے بغیر اپنی سہیلی کے ایک فون پہ بھی اٹھ کر کھڑی تھی اور ماں باپ بھی کچھ مطمئن تھے اگر اس کی جگہ صوفی صاحب کی اپنی کوئی بیٹی ہو تو وہ اس وقت تک اس کی ہنس توڑ کر اسے بستر پہ اٹل چکے ہوتے ہیں الفوس کہ ان کی نظروں کے سامنے تک ٹک کر آ جاتے والی لڑکی ان کی بھانجی تھی۔

"ہم لوگوں کو بتا ہے کہ یہ کہاں گئی ہے؟" ان کا سر اجیر صاحب کی طرف تھا۔

وہ جہاں بھی گئی ہے لیکن ہمیں اپنی بیٹی پر اجیر ہے۔" اجیر صاحب کے کچھ شش بھین بول رہا تھا۔

"چین ٹوٹ بھی جاتے ہیں اجیر مرتضیٰ!"

"مجھے پھر بھی اپنی بیٹی پہ بھروسہ ہے نہ کوئی غلط بات نہیں کر سکتی کہ جس پہ اس کے ماں باپ کو غرور ہوتا پڑے۔" اجیر صاحب مضبوط لیے میں لے لے۔

"اور نہ! بیٹی ہو یا بیٹا آخر یقین کو نہیں نکالی رہتا ہے پھر حال دنا ہے کہ لکھ تمہارا یقین سلامت رہے۔"

انہوں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا اور تھوڑی سی دیر میں سیاست اور حکومت کو زیر بحث لا کر گفتگو میں مصروف ہو چکے تھے۔

"عارف! کیا بات ہے تم کچھ پریشان لگتی ہو؟"

خدیجہ جیکم نے عارفہ جیکم کے سامنے چائے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پریشان تو میں واقعی ہوں۔"

"کیوں؟ کس لیے؟"

"مورہ کی طرف سے۔"

"خیریت، مورہ کو کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟"

خدیجہ جیکم اپنی دوست عارفہ کی پریشانی کا سن کر خود پریشان ہو گئی تھیں۔

"مورہ تو ٹھیک ہے لیکن حالات ٹھیک نہیں ہیں۔" مورہ اور اس کے چچا قشام کا بیٹا ایک ساتھ امریکہ گئے تھے۔

"بھروسہ؟"

"پھر سننے میں آیا ہے کہ اس نے وہاں شادی کر لی ہے۔"

"تو تم کیوں ہلکان ہو رہی ہو؟" خدیجہ جیکم نے حیرت سے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر عصام وہاں شادی کر سکتا ہے تو پھر مورہ بھی کر سکتا ہے گورہا تو ایک ہی بیٹا ہے ہمارے بڑھاپے کا واحد سارا اگر نہ ملے گلیڈ یا امریکہ کا ہو کر وہ گیتو ہم کیا کریں گے؟"

"تم اس کی ممکن یا شادی کر کے بھجواتیں۔"

"ہاں یہ غلطی ہوئی مجھ سے۔"

"یہ کام تو اب بھی ہو سکتا ہے اسے گھر بلا لو اور چندی دنوں میں کام ختم کرو۔"

"کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟" عارفہ جیکم ٹھک گئی تھیں۔

اود گھر آتے ہی انہوں نے سب سے پہلا کام یہ ہی کیا تھا کہ مورہ کو کال ملاتی تھی۔ وہ شاید سو رہا تھا اس

کی آواز سے مکی محسوس ہو رہا تھا۔
 "میں کبھی کیا بات ہے؟ آج آپ نے
 بے وقت گل کیوں کی؟" مہوز کو ان کی گل سے تشویش
 ہوئی۔
 "تم سے ایک بات کرنی تھی بیٹا! انہوں نے مجھے
 تمہید بنا دی۔
 "جی کہنے نہیں تن رہا ہوں۔"
 "میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے
 فوراً کہہ بھی دیا تھا۔
 "لیکن کیوں؟ اتنی جلدی کیوں ہے؟" وہ دلچسپی سے
 پوچھ رہا تھا۔
 "میں تمہاری شادی اپنی پسند سے کرنا چاہتی
 ہوں۔" انہوں نے وجہ بتائی۔
 "آپ میری شادی اپنی پسند سے کرنا چاہتی ہیں؟
 اس لیے جلدی کر رہی ہیں؟"
 "ہاں! وہ محبت اور حسرت بھرے لہجے میں
 بولیں۔
 "تو کر لیجیے اپنے شوق پرورے اجازت کیوں لے
 رہی ہیں؟ آپ میری ماں ہیں، مجھ کی چھٹی میری شادی
 کر دیں، بس شادی سے پہلے لڑکی کی ایک عدد تصویر
 مجھے بھی میٹھ کر دیجیے گا۔" اس نے سعادت مندی
 سے کہتے ہوئے اپنی ماں کو رضامندی سونپ کر انہیں
 خوشیوں کا جہان بخش دیا تھا انہوں نے مہوز کو دعا میں
 دیتے ہوئے فون بند کیا اور خدیجہ بیگم کو گل ملائی۔
 "مبارک ہو خدیجہ! مہوز شادی کے لیے ماں
 گیلیا ہے۔" ان کی خوشی ان کے لہجے سے ہی جھٹک
 رہی تھی۔
 "خیر مبارک! اب جلدی سے اس کے لیے لڑی
 تلاش کرو اور اسے گھر لاکر شادی کر دو۔" خدیجہ بیگم
 کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں لیکن عارفہ بیگم کا وہن
 "لڑکی" پہ اٹکا ہوا تھا۔

صوفی الیاس صاحب کے گھر محفل میلاد تھی۔

خدیجہ بیگم نے مکی گھروں سے عورتوں اور لڑکیوں
 دعوت دے کر محفل میں بلایا تھا اور یہ دعوت نہیں
 نے اپنی دوست عارفہ بیگم کو بھی دی تھی عارفہ بیگم
 بہت سالوں سے ان کے گھر آجاتا ہوا تھا وہ بھی یہ
 گھر لے کر بھی اچھی تھیں چلن اور رہن سہن کے
 حوالے سے بھی اچھی تھیں اس لیے صوفی الیاس
 صاحب کو کبھی بھی ان سے تعلقات پہ اعتراض نہیں
 ہوا تھا بلکہ وہ خود عارفہ بیگم کا اپنی عزت و احترام کرنے
 تھے۔
 آج خدیجہ بیگم نے ان کو مقررہ ٹائم سے پہلے
 بلایا تھا۔
 "کچھ مسئلہ حل ہوا مہوز ولا؟" انہوں نے راز
 بیگم کا ہاتھ تھام کے صوفیہ بخاتے ہوئے پوچھا۔
 "بس لڑکی کی تلاش ہے گوئی پڑھی کچھ اور نیک
 سیرت مل جائے تو میرا مسئلہ حل ہو جائے میں کئی
 طراد ہوا فوڈ نہیں کر سکتی میں اسے مزین جیسے یہ
 چاہتی ہوں نرم طبیعت کی۔" عارفہ بیگم نے اپنی پسند
 بتائی۔
 "اے بیٹا! وہ جس کی عورتیں توی ہیں۔ آپ نہ
 ڈرا تنگ دہم میں بخاتیں ہیں۔"
 فاطمہ کی دیکھی تو آواز سنائی دی تھی اور عارفہ بیگم کی
 نظروں میں پھر بھی تھیں سفید کپڑوں کے شلوار لیو
 میں ملبوس سفید دھبے کے اگلے میں لپیٹا اس کا چہرہ
 بہت برقرار لگ رہا تھا ان بچپن سے فاطمہ کو کبھی تو
 تھیں لیکن آج اسے دیکھنے میں بہت فرق تھا آج وہ
 اسے کی اور روپ میں دیکھ رہی تھیں اور پھر میلاد
 کے دور ان بھی ان کی نظروں وقتاً فوقتاً فاطمہ کے گرد
 گھومتی رہی تھیں اور عصر کے وقت جب محفل قائم
 ہوئی تو عارفہ بیگم دل میں ارادہ پکا کر چلی تھیں اور مر
 اگر سب سے پہلے اسے شوہر سید فیروز بخت کے ساتھ
 مشورہ کیا اور بات آگے بڑھانے کا سوچا تھا انہیں بھلا
 کیا اعتراض ہو سکتا تھا اور یوں عارفہ بیگم نے یہ بات
 خدیجہ بیگم کے ہاتھوں تک اور خدیجہ بیگم نے صوفی
 الیاس تک پہنچائی تھی۔

پندرہ شوال 1435ھ اپریل 2011ء

لڑکی کا ہم فاطمہ ہے۔ انہوں نے بیٹے کو اطلاع
 دی۔
 "دیکھنے میں کیسی ہے؟" وہ شرارت سے بولا۔
 "بہت خوبصورت ہے بہت ہی پیاری ہے۔"
 "تو وہ پیاری مجھے بھی دکھا دیں۔" اس نے فرمائش
 کی۔
 "ایسا ممکن نہیں ہے بیٹا! الیاس بھائی کو یہ سب
 پتہ نہیں ہے نہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی کو شادی کے
 بعد ہی ایک دوسرے کو دکھانے اور بات کرنا چاہیے۔"
 "ہاں۔" مگر وہ فون کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہ
 دیکھا۔ "مہوز خٹکی سے بولا۔
 "بس بیٹا! ان کے اپنے نظریات ہیں۔"
 "لیکن مام! تصویر دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ میں اتنی
 دور بیٹھ ہوں مجھے کماؤ کہ یہ تو توہین ہو کہ میری شادی اس
 سے ہو رہی ہے؟ لڑکی کون ہے؟ کیسی ہے؟ نہیں ہے
 ساتھ کسی لڑکی؟" مہوز نے بے جگہ اپنی شادی کی
 رہنمائی اپنی ماں کو سونپ دی تھی اور ان کی پسند
 راضی بھی ہو گیا تھا لیکن لڑکی کو شادی سے پہلے دیکھنے
 کی خد اور خواہش اس کے دل میں ہنوز تھی۔
 "آپ کو کس نے کہا تھا کہ میری شادی کسی صوفی
 صاحب کی بیٹی سے ملے کر دیں؟" وہ مصنوعی خٹکی سے
 بولا۔
 "بس اب چپ رہو تمہارے نصیب میں فاطمہ کا
 راتو رات لکھا تھا اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ بہت
 باریک دیکھنے کی تمہارے ساتھ۔" انہوں نے تصویر کی
 آنکھ سے مہوز اور فاطمہ کو ایک ساتھ کھڑے دیکھا تھا۔
 "چند دن ہیں دیکھ لیتا ہوں کہ کتنی پیاری لگیں گی
 فاطمہ الیاس صاحبہ؟" وہ اک اک لفظ یہ زور دے کر
 بولا تو اور پھر انہیں منگنی کی رسم ادا کرنے کی اجازت
 دے دی تھی اور عارفہ بیگم خوشی خوشی منگنی کی
 باتیں کر رہی تھیں۔ منگنی کے فوراً بعد شادی
 ہوا تھا!

پندرہ شوال 1435ھ اپریل 2011ء

☆ ☆ ☆
 "بڑی چھپی رستم نکلی ہو یاد کاتوں کلن خبر بھی نہیں
 ہونے دی اور منگنی بھی کروالی؟ رستم نے فاطمہ کی منگنی
 کی اطلاع ملنے ہی اسے فون کھڑکایا تھا اور فاطمہ اس کی
 باتوں پر ہنس رہی تھی۔
 "بس سب کچھ اتنی جلدی ملے ہو گیا کہ مجھے خود ہونا
 نہیں چاہ۔"
 "ہام کیا ہے موصول؟"
 "سید مہوز بخت۔"
 "تو لہام تو پڑ پڑا اور قل ہے؟ خود کیا ہے؟"
 "مجھے کیا پتا؟ میں نے کون سا دیکھا ہے؟" فاطمہ
 نے اس کی سے جواب دیا۔
 "کیا مطلب؟ بغیر دیکھے ہی ہاں بھری؟" رستم کو
 اچھا ہوا تھا۔
 "جانتی ہو وہ کیا جان کو یہ سب دیکھنا کھا پسند نہیں
 ہے۔"
 "اے بیٹا! تمہاری بے لیا جان کو تو کچھ بھی پسند نہیں
 ہے، یہاں تک کہ اپنا آپ بھی۔" اس نے منہ جاکے
 کہا۔
 "اگر میں لڑکے کو دیکھنے کی بات کروں تو کیا ایسا
 ممکن ہے؟" فاطمہ جھنجھلا گئی۔
 "خیر۔ تمہارا ممکن ہونہ ہو ہمارا تو ضرور ہوگا میں
 جس لڑکے سے شادی کروں گی۔ شادی سے پہلے اس
 کے ساتھ دو تین میٹنگز رکھوں گی۔ اور پھر ان میٹنگز
 کے بعد ہم اک دوسرے کو جان سگے تو ٹھیک نہ جان
 سگے تو اللہ حافظ کم از کم یہ تو پتا ہونا چاہیے کہ ہمیں
 کس کھونٹے سے بندھا جا رہا ہے؟ وہ کون ہے؟ کیا
 ہے؟ ہمارے ساتھ کیا لگے گا؟ یہ تو علم ہونا چاہیے
 یا؟" رستم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔
 "یہ سب آپ کلاس میں ہونا ہے یا؟ ہماری مثل
 کلاس میں نہیں۔" فاطمہ نے کلاس کا فرق بتایا۔
 "ہو نہ! اعلیٰ تعلیم ہے تمہاری۔ آج کل مثل کلاس
 میں بھی وہ کچھ ہو رہا ہے جو آپ کلاس میں بھی نہیں

ہوگ۔ "ریح نے اسے باور کروایا۔
"میرا حال جو کچھ بھی ہے، ہمارا اگر تو ان سب چیزوں
سے پاک ہے، تو اسے شکر ادا کرتے ہوئے کہہ۔
"خیر یہ تو شادی کا کب ارادہ ہے؟" ریح نے بات
بدلتے ہوئے کہا۔

"جب تو آئیں گے۔"
"ہیں؟ انہوں نے ابھی اتنا ہیے اور تم پہلے ہی آ
گئیں؟" وہ پھر بیان سیریس ہو چکی تھی۔
"ریح پوری بات تو سن لو۔" قاطمہ خٹک سے گویا ہوئی
اور ریح فون کی دوسری طرف یکدم کھٹکھٹا کر ہنسی
گئی۔ اس کی ہنسی کی ٹھنک ریسور سے باہر تک سنائی
دے رہی تھی۔ "میں فون بند کر رہی ہوں؟"
"اوسکے اوسکے سیرھاؤ کہ انہوں نے کہاں سے آتا
ہے۔؟" ریح اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔
"امریکا سے۔"

"واٹ؟ امریکا سے؟ وہ بندہ امریکا میں رہ کر ایک
ملانی سے شادی کر رہا ہے؟ کیا اس نے تمہیں دیکھا
ہے؟"

"پھر بھی شادی کر رہا ہے، حیرت ہے یا؟"
"کیوں کیا بھی پہلے ایسی شادی نہیں ہوئی؟" قاطمہ
نے ناراضی سے پوچھا۔
"ہوئی ہے ناں۔ تمہاری امی ابو کی وہ اگر شادی
سے پہلے تمہارے ابو کو دیکھ لیتیں تو انکار کر دیتیں
ہو سکتا تھا کہ گھر میں پھر اول کے مرچا تیں۔" ریح
کہتے ہوئے خود بھی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی
اور نہ چاہتے ہوئے بھی قاطمہ کے چہرے پہ مسکراہٹ
پھیل گئی۔

"تم بہت خراب ہو ریح!"
"شکر ہے کہ تم تو خراب ہونے سے بچ گئی ہو۔"
"واقعی اگر تمہارے ساتھ رہتی تو پھر میں بچ سکتی
تھی۔" قاطمہ نے اعتراف کیا۔
"ویسے ایک بات بتاؤ کہ کیا یہ سید مہوز بخت بھی
مولوی تاجپ بندے ہیں؟" ریح کا انداز راز دارانہ

تھا۔ مہوز مولوی جان کو پسند آگئے ہیں۔"
"یار! مجھے کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ میں بالکل انجان
ہوں۔"

قاطمہ اس کی باتوں سے لہجہ ہو گئی تھی۔
"اگر سوری یا رابہ تو میں مولوی کی ہنسی کہ جہیز
جو بھی مل جائے۔ بس قبول ہے۔" ریح نے یاد کرنے
کی ایک ٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"شادی میں کتنے دن پہلے کوئی؟" قاطمہ نے اس
کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"دو دن۔" اس نے مختصراً کہا۔ "مگر میں پہلے آئی تو
تمہارے گھر میں قہر چلی آجائے گی، یا تو ماموں جان
گھر میں رہیں گے یا پھر میں۔" ریح نے اسے ملکہ
خطرے سے آگاہ کیا۔

"لیکن ریح! تم آرام سے بھی تو نہ سکتی ہو؟"
"نہیں، یا تو میں آرام سے رہنے کا وعدہ نہیں کرتی،
میرا سوڈا بھی ابھی بدل سکتا ہے میں کسی وقت بھی پینل
چا سکتی ہوں، میز پر پچھریں سکون شامل ہی نہیں ہے
اور دباؤ میں جان بچھڑے پائندہ ہوں، شے ماہر ایسے، انہوں
ایسے بیٹھو وہ کپڑے پہنو یہ مت کہو تم کو جو چاہو
جاگ جاؤ، سوری یا رابہ! میں یہ سب نہیں کر سکتی، میں
جب اسلام آجی جاتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے میں
اسلام آباد کی صاف شفاف ہر سکون موزکوں پہ دن رات
گاڑی اڑاتی رہوں لیکن ماموں جان کی وجہ سے قید
ہو کر بیٹھا رہتا ہے جیسے پرکٹھی لے گئے ہوں۔"

اس نے جد جہلی اور قاطمہ جب ہو گئی تھی۔
"ہیلو۔" ریح نے دوسری طرف خاموشی غصوں
کرتے ہوئے پکارا۔
"تم چپ کیوں ہو گئیں؟"

"نہیں کچھ نہیں، تم بولو اور کیا ہوتا ہے؟" قاطمہ
کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا اور ریح کو بھی بریک لگ گئے
تھے۔

"سوری یا رابہ! آئی تمہیں کچھ زیادہ ہو گیا ہے۔"
ریح کو احساس ہوا۔
"اُس اوسکے تم کو۔"

"مجھے کیا کہنا ہے، میں تو نہیں جانتا کہ وہی ہوں کہ
نہاری شادی سے کافی دن پہلے آجائوں گی، آج پہلے کہ
نہروں ہو جاؤ گی۔" ریح نے بگے بگے انداز میں کہا تھا۔
اور قاطمہ نے ساختہ مسکراہٹ اٹھی تھی۔ ریح اسے خفا
نہیں کر سکتی تھی۔
"اوسکے میں انتظار کروں گی۔"
"اوسکے اللہ حافظ۔" ریح نے ہنستے ہوئے فون بند
کر دیا تھا۔

اور چند ہی دنوں میں دونوں گھروں میں شادی کے
بگے جاگ لگے تھے مہوز بخت کی اسٹوری اور چاب
کا اہم ٹکٹ مکمل ہو چکا تھا، اس لیے اس نے فوراً
اپنی کاسٹریا بندھ لیا تھا کیونکہ عارفہ بیگم شادی کی تاریخ
پے کر چکی تھیں۔ ایک ہفتے بعد اس کی شادی بھی۔
فون کی طرف سے ساری تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی
تھیں۔

نہروں آیا تو پورے گھر میں جیسے چل پھل اور گھما
گھسی سی ہوتی تھی گاؤں سے ناگہ اور نشا بھی آگئی
تھی۔ اس کے دوست بھی اس سے ملنے کے لیے
رہے تھے اور حسان نے تو اس کے پاس ڈیرہ ڈال لیا
تھا۔

"بھابھی سے ملاقات ہوئی تمہاری؟"
"نہیں کی بھابھی؟ مہوز نے حیرانی سے پوچھا۔
"میری بھابھی؟"
"تمہاری بھابھی سے میری ملاقات کیوں ہو گی؟"
"بلو مت۔ میں تمہاری منگیتر اور ہونے والی بیوی
کی بات کر رہا ہوں۔" حسان نے اسے منگارید کیا۔
"اچھا اچھا۔" نہیں یا رابہ! بھی تو ملاقات نہیں
ہوئی۔"

"کیوں؟" حسان نے بے ساختہ پوچھا۔
"مہوز نے سب کو گھسی میں بتایا۔
"میں کسی مولوی کے گھر رشتہ داری کر رہی ہوں؟"
"اچھا اپنے ایریا کی جامع مسجد کے امام صاحب ہیں

صوفی الیاس صاحب، فون کی صاحبزادی ہوتی ہیں
قاطمہ صاحبہ، بس فون ہی سے شادی کا شرف حاصل
ہو رہا ہے مجھ تاجپ بندے کو۔"
حسان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ "صوفی الیاس
کی بیٹی سے شادی ہو رہی ہے؟"
"ہاں کیوں نہیں اعتراف ہے؟"
"نہیں نہیں، بیٹی پہ تو نہیں البتہ باپ پہ اعتراف
ہے۔"

"تو مجھے شادی بیٹی سے کرنی ہے، باپ سے تو
نہیں۔"
"بیوی لو کی جگہ ہاتھ مارا ہے تم نے؟" حسان کچھ
یو کھلائے ہوئے انداز میں بولا۔
"کیوں؟ کیا مسئلہ ہے؟"

"یار! کافی سخت آدمی ہیں۔ کافی سارے پہلے ہمارے
پہلے کی ایک مسجد میں امامت کرتے تھے اور پچھلے پچوں کو
قرآن پڑھانے بھی پڑھاتے تھے اور ان بچوں میں میں بھی
شامل تھا۔ سب سے یاد آؤں۔ ہونے کی صورت میں بچوں کو ہمارے
مار کر فون کی چوڑی اوچھڑے رکھ دیتے تھے۔ بہت ہنسی
مزاح اور تنگ نظر بھی تھی۔ کسی لڑکے کو دیکھ لیں
تو توبہ توبہ کرتے ہوئے گزرتے ہیں، چاہے وہ
بے چارے بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔"

"خیر تمہیں اس سے کیا؟ تم نے شادی تو ان کی بیٹی
سے کرنی ہے نہ یقیناً؟" اچھی ہی ہو گی۔ آئی نے پوچھ
دیکھ بھل کر یہ رشتہ کیا ہو گا۔"
حسان نے اسے تسلی دینی تھی اور مہوز اپنے ذہن کو
تسلی دے کر مطمئن کرنے لگا۔

"میں قاطمہ کو دیکھنا چاہتا ہوں صرف ایک بار تو
بھی شادی سے پہلے پلیز کوئی حل سوچو۔" مہوز کی بات
سن کر حسان ہدک گیا تھا۔

میں کبھی مر کے بھی صوفی صاحب کی بیٹی کو دیکھنے کا
آئیڈیا نہیں سوچ سکتا۔ وہ تو مجھے پائیل میں اتار دیں
گے، میں ان کی مارت سے واقف ہوں، تم نہیں ہو۔"
"پلیز رابہ!"

"یہ ناممکن ہے یا رابہ صوفی صاحب اس شادی سے

.....

کون سے بہت کم قیمت پر خرید رہا ہے۔

شک کی گئی تھی اور رنج و سیکڑہ کے لیے حیب ہوئی

”بلبلہ! تو نے عزت سمجھے کی بلبلہ! اے بلبلہ!“

گئی تھی۔ لیکن اس نے دھیان نہیں دیا تھا کہ ذرا فاصلے پہ کھڑی لڑکی کے ہاتھ میں موبائل بچ رہا ہے۔ کل ڈس کنکٹ ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر ٹرائی کیا۔ اور ایک بار پھر زنگ بننے لگی۔ بالآخر اس نے تنگ آکر کل ریو جو کر لی۔

”جی موز صاحب! کیسے کیا ہے جینی گئی ہوئی ہے تب کو؟“ اس سے پہلے۔
 دیکھیے فاطمہ! میں آپ کے لیے ایک رنگ پسند کر رہا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ رنگ میں کون سا اسٹون ہا چھالے گا؟ ڈائمنڈ، ٹیلیئم، پیکراج، زمرد یا کوئی اور؟“

”ٹیلیئم“ جی مختصر ہوئی۔
 ”ٹیلیئم کیوں؟ ڈائمنڈ کیوں نہیں؟“ موز کا ڈائمنڈ لینے کا ارادہ تھا۔
 ”ڈائمنڈ میں خود لے رہی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”تو کسے تو پھر ٹیلیئم؟“

”جی ٹیلیئم۔“ وہ ذرا اندر دہنے کر گئی تھی اور موز نے چونک کر اس لڑکی کی سمت دیکھا تھا جس کے منہ سے اس نے ٹیلیئم سنا تھا۔
 ”آپ اس وقت کہاں ہیں؟“ موز نے جان بوجھ کر بات بڑھائی۔

”شاپنگ سینٹر میں۔“ وہ ہنسی اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا لیکن موز حیران پریشان اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو اسٹاف سے سوٹ پہ بنی کلا جاؤ اور ڈھسے اپنے آپ کو دھانسنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے چادر سنبھل نہیں رہی تھی، کبھی کوئی پلو سرک رہا تھا تو کبھی کوئی کوٹاؤ حلق رہا تھا چراچھپانے کی کوشش بھی بیکار ہوئی جا رہی تھی۔

موز نے اپنا شک دور کرنے کے لیے ایک بار پھر نمبر دیا اور اسی کا موبائل بجا تھا اور اس انکشاف پہ ہلکا سا کھڑاؤ تھا کہ گیلہ وہ تیزی سے آگے بڑھا اس سے پہلے کہ کہ گستاخ لڑکی کی چادر کا کونہ دو دروازے میں اٹکا چادر ایک بار پھر وحلک گئی تھی۔ اس نے تیزی سے

موبائل نکالا اور اس کی تصویر نکالی۔۔۔
 ”کیا جی پسند کر کے گئی ہیں؟ اس نے پتھر من سے پوچھا۔
 ”جی ڈائمنڈ لاکٹ تھا۔“

”ہولہ۔“ وہ چپ ہو کے رہ گیا۔ فاطمہ خود ڈائمنڈ لے رہی تھی۔ اسی لیے مجھے منع کر دیا اس کا ذہن بالہ گیا تھا وہ بار بار اس کے نمبر پہ کل ملانے پہ مجبور ہوا تھا ایک بار پھر فون کر ڈالا۔

”جی کیسے؟“ اس کے سوال پہ رنج شاید مسکرائی تھی۔
 ”آپ فاطمہ ہی ہیں؟“
 ”آپ کو کوئی شک ہے؟“ وہ اپنے لیے جی کی شرارت بڑھاتی تھی۔

”نہیں مگر۔“ وہ کنبھوزہ ہو رہا تھا۔
 ”اگر آپ کو کوئی شک ہے جینی تو بے فکر ہو جائیے۔ کل آپ کے سارے شک دور ہو جائیں گے۔“ جی جیسے جیسے کسی ایک رات گزار لیں، کل سارے بھید کھ جائیں گے۔ تیس دن موز بخت کو تسلی دی اور فون پھر بند کر دیا تھا۔ موز پر بار بار اچھا چارہ تھا اور اسی ہاتھ میں رات گزری تھی لیکن ایک بات سچ تھی کہ وہ لے بہت پسند آئی تھی اس کے چہرے کی جھلک اسے اب بھی اپنی آنکھوں کے سامنے لہرائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے فون ہی ہل میں عارفہ بیگم کی پسند کی دہندی تھی۔ ”کیا قیمت تلاش کی ہے دل خوش کر دیا ہے۔“ وہ اپنی ہی کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

صوفی الیاس صاحب نے شادی کے فنکشن کا سارا انتظام اپنے گھر میں ہی رکھا تھا۔ فیوز بخت نے میز چل کے لیے بات کی تھی لیکن انہوں نے منع کر دیا تھا حالانکہ وہ میز چل کی بیگ یا آسانی افزہ کر سکتے تھے مگر انہیں لڑکیوں کا کھلے عام میز چل دینا جانا لوگوں کا دیکھنا تصور میں اور مودی بننا پسند نہیں

تھا۔ اس لیے ساری اینٹیں پھینک کر یہی کر دینی تھی۔ ساتھ دلی کو بھی ایک دن کے لیے کرائے پر لے لی گئی جہاں موز کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا اور اسے گھر میں عورتوں کے لیے اینٹ منٹ کر دینی تھی لان کے گھر میں بس دھما کی ٹیلی کو آنے کی اجازت تھی بلقی سارے موز مہمان ساتھ والی کو بھی میں براہمن تھے۔ ان کے بتائے ہوئے مقررہ وقت پہ یارات پہنچ جاتی تھی اور ہر طرف یارات آگئی کا شور مچ گیا تھا لڑکیاں پھولوں کی پٹیلیں لیے گیٹ کی روش پہ دو ٹوں سائیڈوں میں کھڑی تھیں سب ہی لڑکیاں جھنجکی جھنجکی شوالی شوالی سی تھیں لیکن ان سب میں صرف ایک وہی تھی جو بڑے اعلیٰ کے ساتھ چہرے پہ مسکرت اور آنکھوں میں شرارت لیے کھڑی تھی۔

موز بخت نے سلا قدم اندر رکھا تو پھول پھول کر کے من میں بھی پھل اسی لڑکی نے کی تھی موز بخت کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے آخر ہوا کیا تھا؟ وہ شرارت بھری نظروں سے حیران پریشان سے موز بخت کو دیکھ رہی تھی اور سب لڑکیاں اس کے ساتھ مل کر پھولوں کی باتیں سن رہی تھیں اور گڑھی تھی۔
 ”فاطمہ!“ وہ زور کب بولا تھا۔

”رنج! رنج!“ لیکن بیگم نے اس کی سمت آتے ہوئے پکارا۔
 ”جی نام؟“

”اندرو جاتو۔“ فاطمہ جھپٹتا رہی ہے۔ ”انہوں نے اسے پکارتا ہوا۔
 ”تو کے جاتی ہوں۔“ وہ غالی پلیٹ کسی لڑکی کو تھا آئی اندر کی سمت بڑھتی اور موز بخت کے دل کو جھنگول کی زد میں چھوڑ دیتی تھی۔

پوری رات چاہتوں کے زور سے سجا جاتے والی خواہشیں کسی کے جھوٹ اور فریب کے مدد سے ہم بخور تھی تھیں یعنی یہ لڑکی کوئی اور تھی فاطمہ کوئی اور؟ رات اس لڑکی نے لے لے بے وقوف بنایا تھا؟ اور اسے بے قراری سونہ کر خود لا تھیں ہوئی تھی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ موز بخت نے پوری رات اس کی

تصویر کو دل میں بسائے اور صبح کا انتظار کرتے ہوئے آنکھوں میں رات بھاری تھی۔ تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اسے رات بھاری؟

لب قہقہے سے ہنساتے کب قہقہا تھا؟
 ”حسن! اپنی ہاتھ بھی دیکھی تھیں؟“ اس نے اسے اسے آکر جھپٹتے ہوئے کہا۔
 ”کیا مطلب کون سی ہاتھ بھی؟“ حسن کو حیرت ہو رہی تھی۔

”وہی بیگ شرارے دلی۔“ موز نے کچھ دور کھڑی کسی سے باتیں کرتی رنج کی سمت دیکھا۔
 ”لیکن یہ تو کوئی اور ہے۔“

”اے! میں یا راہی تمہاری رہا بھی ہے۔“ موز بخت کے ہونٹوں پہ عجیب استہزائی سی مسکراہٹ پھیلی گئی۔
 ”فاطمہ بھابی؟“

”چاہے فاطمہ ہے چاہے کوئی اور بس یہی تمہاری بھابی ہے۔“ اس کا اچھے منسوب تھا اور حسن ناگل ہو اٹھا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ پھر کیا ہے؟

”ہام! موز نے عارفہ بیگم کو قریب بلایا۔
 ”جی ہاں؟“
 ”وہ بیگ کپڑوں والی لڑکی کون ہے؟“ اس نے اشارہ کیا۔

”جی فاطمہ کی کزن ہے۔ اس کی پھوپھی کی بیٹی رنج احمد کا پور سے آئی ہے۔“ انہوں نے تعارف کر دیا۔
 ”آپ بیٹھے میرے پاس!“ اس نے ماں کو اپنے قریب بٹھالیا تھا اور پھر انتہائی سکون سے ان کی سماعتوں پہ ہم پھونڈیا تھا۔ ہل کے رو گئی تھیں!

”ماشاء اللہ! ماشاء اللہ۔“ تن جو لگتا ہے حقیقتاً چاند زمین پہ اتر آیا ہے۔ ”یہ بیٹھیں فاطمہ کو تیار کر کے بیٹھے ہٹی تو پہلی نظر رنج کی ہی پڑی۔ گئی وہ کئی بار بار لان میں گئی تھی اور کئی بار اندر فاطمہ کے پاس آئی تھی۔ ساتھ

ساتھ یوٹیشن کو دیات بھی دیتی رہی قاتلہ کا رنگا کیے کی طرف سے تھا اور ولیمہ کا سرسٹن کی طرف سے۔
دولہا کی کرن نامہ بتا رہی تھی کہ دولہا نے ولیمہ کا رنگا خود اپنی پسند سے سلور کمرش ڈرائن کروایا تھا۔
”دولہا بھی کسی چایہ سے کم نہیں ہے۔ ان کی مشترکہ کرن شہرین نے تعریف کی۔“ جوڑی کمال کی ہے یار۔“

سب ہی تعریف کر رہی تھیں۔
”قاتلہ۔ قاتلہ! غضب ہو گیا۔“ رقیہ بدحواس سی بھاگتی ہوئی اندر آئی تھی۔ ریح سمیت سب نے چونک کر دیکھا۔

”خیر تو ہے؟“ تیرے چہرے پر یہ بوئیاں کیوں باز رہی ہیں۔“ ریح نے اس کا بازو پکڑ کے پوچھا تھا۔
”وہ دولہا نے شادی۔ شادی سے انکار کر دیا ہے۔“ وہ کہتا ہے میں قاتلہ سے شادی نہیں کروں گا۔ وہ۔۔۔ ریح۔ ریح سے شادی کرنا چاہتا ہے۔“ رقیہ نے ان کے قریب ہم پھوڑتے ہوئے وہاں موجود قاتلہ اور ریح کے پرچے اڑا دیے تھے۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟“ ریح چکر اٹھی تھی۔
”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ باہر سارے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ باجیان تو دولہا کو مار دینے کے ورے ہیں۔“ رقیہ کے جواں اڑنے ہوئے تھے قاتلہ سائت وصامت ہو گئی تھی اور ریح تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

”اگر اس نے ایسی حرکت کی ہے تو ہم اسے ضرور سزا دیں گے۔“ وہ اگر تم ملا بیانی سے کام لے رہے ہو تو ہم تمہارا سر قلم کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔“ صوفی الیاس صاحب کی آواز وہاں موجود لوگوں کو غصہ اڑا رہی تھی۔ ریح کو اپنی ناگوں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

”یائے مجھ سے کیا ہو گیا؟“ وہل ہی محل میں ہول رہی تھی۔

”سیکینہ! بلاؤ اپنی بیٹی کو۔“ انہوں نے برف سے زیادہ سرد نظروں سے۔ سن کو دیکھا۔ سیکینہ بیگم اور احمد

صاحب خود چترائے ہوئے کھڑے تھے۔
”سیکینہ! وہ یکدم ہنس پڑا۔“ وہاں اٹھ۔
”جی جی بلاتی ہوں۔“ سیکینہ بیگم باہر نکلیں۔
ریح ڈرانگ روم کے باہر ہی چوکھٹ سے لگی کمری تھی۔

”ریح! میرے ساتھ آؤ۔“
”ہاں! ریح وہاں ہی ہو گئی لیکن سیکینہ بیگم اس کی بھرائی ہوئی نظروں سے نظر چڑا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی تھیں۔

”کوہر کو لڑکی؟“ صوفی صاحب نے اسے سامنے آنے کو کہا۔

”جی؟“ وہ لڑنے جسم کے ساتھ بمشکل سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

”تم نے اس لڑکے کو کہا کہ تم قاتلہ ہو؟“ انہوں نے بلند آواز سے پوچھا۔ ریح نے بے بسی سے نظر اٹھا کر ہنوز بخت کو دیکھا۔

”ہو لو تمہارے کما؟“ وہ غرائے تھے۔
”جی میں نے کہا تھا۔“

”تم نے اس کے ساتھ باتیں کیں؟“
”جی کی تھیں۔ لیکن یہ سب ایک شرارت۔۔۔“

”چنانچہ صوفی الیاس صاحب کا بھاری ہاتھ پوری قوت اور پوری نفرت سے اس کے گلے پر پڑا تھا۔

”بے شرم! یہ شرارت ہے تمہاری نفرت میں؟“ وہ اتنی بلند آواز سے دھاڑے تھے کہ پورے گھر کے دروازے کے دھمکنے تھے۔

”جی ہاں! میں نے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ریح بمشکل اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکی تھی۔

”ہاں جی! اس میں میری کوئی بدعتی شامل نہیں تھی۔ میں نے واقعی محض ایک شرارت میں ان سے یہ سب کہا تھا۔“

”اس نے اپنا دماغ کیا۔“
”یہ مذاق ہے؟“ کس خیر اور نامحرم مزے باتیں کرنا اسے اپنے آپ کو اس کی ہونے والی پوری ظاہر کرنا مذاق ہے تمہارے لیے؟“ وہ نفرت سے کہہ رہے تھے۔

”مجھ سے غلطی ہو گئی ہوں! مجھے معاف

کر دیں۔“

کر دیں۔“ ریح نے تہ امت سے سر جھکا لیا۔
”معافی کیسی؟ تمہاری سزا یہی ہے کہ تمہارا نکاح دھاگر تمہیں یہاں سے دفع کر دیا جائے۔“ انہوں نے ایک انتہائی فیصلہ کر ڈالا تھا۔

”نہیں۔ نہیں یہ سب نہیں ہو سکتا۔“ ریح کے قدموں سے نشن سرک نہ گئی تھی۔ ”احمد مرتضیٰ مولوی صاحب کو بلانا ہے۔ پھر ہمارے فیصلے سے کوئی اختلاف ہے؟“ انہوں نے سر جھکا کر شرمندہ کمرے احمد صاحب کو مخاطب کیا تھا۔

”نہیں! پاپا! مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں، ہنوز بخت قاتلہ کا نصیب ہے۔ وہ وہاں ہی بیٹھی انتظار کر رہی ہے کہ میرا ملے گی۔“ ریح لپک کے اپنے باپ کے سامنے آئی تھی۔

”وہ میری بیٹی ہے۔ صابر شاکر، شرمو حیوانی اور رب قومی بھی نہیں چاہتوں گا کہ میری بیٹی کی شادی اس لڑکے کے ساتھ ہو۔“ صوفی الیاس کے لہجے میں نفرت و نفرت تھی۔

”ہاں بلینز! کچھ تو بولیں۔ پاپا پاپا! تو اندر

بلینز۔“

وہ اپنے باپ کے سامنے التجا نہیں کر رہی تھی۔ لیکن وہ تو جیسے شرم کے مارے زمین میں گر چکے تھے۔

انہوں نے صوفی الیاس کے فیصلے سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا اور ریح کے دھاڑیں مار مار کر رونے کے باوجود اس کا ٹکڑا سید ہنوز بخت کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔

اپنے چہرے لحوں میں اسے دلن مار کر رخصت کر دیا گیا تھا لیکن ریح کی آنکھوں کے سامنے بار بار دلن بینی نظر کا چرا گھوم رہا تھا۔

چترائے ہوئے چترائی ہوئی آنکھیں۔ باہر اس کی آنکھوں کے سامنے اگر شکایت درم کر رہی تھیں۔

ریح کامل اور ضمیر کسی بھاری بوجھ تلے آگئے تھے۔ پوپا لنگ رہا تھا جیسے کسی نیزے کی بالی اس کے پیچھے میں لڑتی ہو۔ وہ اپنے باپ کی اگلی بیٹی تھی لیکن قسمت نے اسے کسی بالی بھی کہہ نہ سکتی تھی۔

باپ نے اس کے سر پہ ہاتھ بھی نہیں رکھا تھا۔ وہ روئی

رہی تھی۔

”تپ! اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اور کنفرم کر دیا

لیں۔“

اس نے کھدے اچکائے۔
”ریح! اس کیلئے ہے؟“

بلکی ہوئی گاڑی میں بیٹھی تھی۔
وہاں موجود کئی لوگوں کو انہوں نے دیکھا۔ کئی لوگوں کو چکارے دار موضوع ملا تھا اور کئی اس کی مزاحیہ خوش ہوئے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو قاتلہ کی دل جوئی کرنے میں لگے تھے۔ ریح کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اس پہ کیا ہوتی تھی؟ اس کی کسی کو پروا ہی نہ تھی۔ کیونکہ وہ قصور وار تھی۔ اسے سزا دے کر بھیج دیا گیا تھا۔ اسے سب رشتوں سے دور رہنے کی سزا ملی تھی، قطع تعلیق کی سزا۔ گاڑی سے بھی پلٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔ مگر اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

اس نے گھر پہنچ کر گاڑی کو بریک لگائے اور اپنی

طرف کا دروازہ کھول کر اس کی سائڈ میں آ گیا تھا اور دروازہ کھولتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اترنے میں بند

وی تھی۔ لیکن وہاں کا ہاتھ چھو کر اسے تیرے تیرے گئی تھی۔ اس کا سر بندہ دم کی طرف تھا۔

”اگر تم آگئے تم لوگ؟“ عارفہ بیگم نے آگے پیچھے

ان کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر خوشگوازی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ریح بغیر کسی رکے اور چلی گئی تھی۔

”السلام علیکم۔“ ہنوز نے اس کو سلام کیا۔
”وہیکم السلام۔ ریح کو کیا ہوا؟“

”شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے ذرا

لپرو لاتی سے کہا۔
”کیوں کیا بات ہے۔ طبیعت کو کیا ہوا؟“ وہ پریشان

ہوئیں۔
”پریشان والی نہیں خوشی والی بات ہے۔“ اسے

آخر بتائی پڑا تھا۔
”کیسی؟ تم سچ کہہ رہے ہو؟“ عارفہ بیگم چمک

اٹھی تھیں۔
”آپ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اور کنفرم کر دیا

لیں۔“

اس نے کھدے اچکائے۔
”ریح! اس کیلئے ہے؟“

اس نے کھدے اچکائے۔

”ریح! اس کیلئے ہے؟“

اس نے کھدے اچکائے۔

اس نے کھدے اچکائے۔

"شاید اپنے گھر والوں کی کمی محسوس کر رہی ہے اس موقع پر؟" موز کو اس کی لپٹنڈ کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔
 "تو کوشش کریں بہن کے اسی تہاں جائیں۔"
 انہوں نے نیٹے کو شونہ دیا۔
 "ہوں اب تو میں بھی سوچ رہا تھا کہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا بلکہ مجھے ان سے منطقی بات لگنا ہوگی۔"
 "ہن شاہ لائڈ ہاں جائیں گے تم کو بخش ضرور کریں۔ وہ صوفے سے کھڑی ہو گئیں۔
 "کمال جا رہی ہیں؟"
 "تمہارے ڈنڈ کو خوش خبری ملے۔" وہ مسکرائے پوچھیں اور موز کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وہ تو تم کر رہی رہی ہیں؟" موز نے بھی ہلکا سا ہنسی بھری ہنس لگائی۔
 "میں لگتا ہے شادی کو نہیں سال ہو گئے ہیں۔ میں نہیں بولی تو کوئی بات ہی نظر نہیں آتی امریکا میں تو سوچا تھا کہ اپنے سارے ارمان اپنے سارے جذبات اپنی ساری خواہشیں مشرقی بیوی پر پورے کر دوں گا موز ہوتے ہوئے بھی خود کو ایک عورت کی طرح سنبھال کے رکھا۔ کبھی جذبات کا پھانہ چھلکنے نہیں دیا اور مشرقی بیوی ہے کہ ہاتھ ہی نہیں لگائے رہتی سباز اور شہرہ جو پہلاں سے اسے حرام تو مت کر دے۔
 اس نے رتیچ کو آہستگی سے اپنے قریب کھینچ لیا تھا۔
 "کیا چاہتے ہو؟" رتیچ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
 "وہ سب کچھ جو ہر شوہر چاہتا ہے۔"
 "ہر شوہر زندگی کا شوہر تو نہیں ہوتا۔"
 "ہر بیوی تمہاری طرح خدی اور غیبیلی بھی تو نہیں ہوتی؟" ہنسی لگی وہاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو شوہر کے بڑے بڑے عیبوں کو بھی بوجھتا رہتی ہیں۔ موز نے اپنے اس کے رویے کا احساس دلانا چاہا۔
 "تم نے میرے عیب کو دیکھا؟" رتیچ کا چہرہ بڑا سوال سے لالچا کر گیا تھا۔
 "معاف تو کر سکتی ہو میں؟"
 "مجھے کس نے معاف کیا ہے؟ تم نے؟ موز نے ہلکا سا ہنسی بھری ہنس لگائی۔
 "میں نے یا قاطعہ نے؟ اس روز تم بھی تو میری لپٹنڈ کو غلطی سمجھ کر معاف کر سکتے تھے؟ تو پھر آج آج معافی کا لفظ نہیں لانے والے تم کون ہوتے ہو۔"
 "رتیچ کی تو آواز بھرا آئی تھی۔
 "یعنی تم معاف نہیں کر سکتی؟"
 "یقیناً۔" وہ کندھے اڑکا کر بولی۔
 "اپنے فیصلے میں ذرا اس کو جوش رکھنی چاہیے۔"
 "مید موز بخت لپٹنڈ میں نے تم سے قیاسی ہے کہ اپنے فیصلے میں تجاؤں نہیں رکھنی چاہیے۔
 اس کا انداز استہزاء تھا۔ "وہ کن فیصلے ایسی انتظار میں رہ گئی کہ تم اپنے فیصلے میں شاید کوئی تجاؤں رکھ لو گے لیکن نہیں۔ وہ نامراد اور باجس بیٹھی رہی اور

"میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی تم اپنی ہام کو منع کرو۔"
 اس کے لہجے میں ہنس بھری آواز آئی تھی۔
 "مجھے تمہاری جنس لپٹنڈ کی ضرورت ہے۔ موز نے اسے جتانے والے انداز میں کہا تھا اور رتیچ کے تو ٹکڑے سے لگی اور سوچ بھی نہیں سکتے تھے لگا موز بخت نے اس کے جسم پر چاٹکدے مارا ہو۔
 "مجھے تمہاری فکر کی ضرورت بھی نہیں ہے عفت بھیجی ہوں میں ایسی فکر۔" وہ عفت سے بولی۔
 "تو مجھے لپٹنڈ کے لیے تو فکر کرنے دو میں؟" وہ ہنسی کی ٹانٹ لگاتے ہوئے اس کے سامنے ہلپہ آ بیٹھا تھا۔
 "بڑی تکلیف ہو رہی ہے اپنے بچے کے لیے؟"
 اس نے مسخرانہ نظروں سے دیکھا۔
 "بیوی کے لیے بھی ہو رہی ہے یا رائف کیا حال بنا رہا ہے اپنا۔" وہ محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے بل چہرے سے ہنسی بھرتے ہوئے بولا تھا۔
 "تمہارا حال بھی اپنے جیسا ہی رہاؤں گی بے حال کروں گی تمہیں۔" وہ موز بخت کا ہاتھ جھٹک کر بولی تھی۔ اور وہ اس کی بات پہ مسکرا رہا تھا۔

تم۔" وہ کہنے لپٹنڈ کی ہنسی۔
 "موز! رتیچ تیار ہے؟" باہر سے عارفہ بیگم کی کواز سنائی دی۔
 "نہیں۔" موز نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کھڑی سانس کھینچی تھی۔
 "آپ ٹون کر کے ڈاکٹر کو منع کر دیں کہ ہم لوگ نہیں آ رہے۔"
 موز دو ٹوک سے لہجے میں کہتا ہر یف کیس اور اپنا کوٹ انعام کے باہر نکل گیا تھا۔
 "کمال جا رہے ہو؟"
 "کلا ہو۔"
 "واپسی کب تک ہوگی؟"
 "شاید کل۔"

وہ مختصر سے جواب دینا ان کے ساتھ میڈیاں اتر آیا تھا۔ فیوز بخت سے مل کر کھانا کھانے کے لیے بیٹھا۔
 "لیکن بیٹا! رتیچ؟" عارفہ بیگم نے انتظار کر لیا۔
 "اسے اس بگے خلی پہ چھوڑ دوں گی میں جسے نری سے کھانا کھاؤں گے کر نکل گیا تھا لیکن اس کے ذہن سے رتیچ کی باتیں میں نکل رہی تھیں۔ وہ بار بار ان ہی کو سوچ رہا تھا۔ غلط اگر نہ تھی تو غلط خود موز بخت بھی تھا۔ دونوں سے ایسے کام ہوئے تھے جن کو معاف کرنے لگتا آسان بھی نہیں تھا۔

شہا اپنے جوتوں پہ تھی گواہی ہر سو ہنکورتے لپٹنڈ پر رہی تھی۔ مولا کہ اس سارے ماحول میں صرف وہ ایک آدمی تھی اور اس کی گواہی سارے ماحول کو گواہی دیتی تھی شہم کی انٹرویو گہری انٹرویو میں بدل چکی تھی۔
 "مجھے بچے کا نام ہو رہا تھا نہ ہی وہ گھر آیا تھا نہ فیوز بخت گھر آئے تھے ان دونوں کی گاڑیاں عتاب تھیں۔
 "جیسے لوگ بیٹا؟" عارفہ بیگم کی تواضع اس نے ٹھک کر دیکھا۔
 "نہیں یہ اس نے غمی میں سر ہلایا۔

"بیگم صاحب! آپ سے سز قرضی ملے تکی ہیں۔"
 چوکیدار نے اندر آکر اطلاع دی۔
 "نہیں نہیں بیٹا۔"
 "ہیلوڈ پر گیا ہو یا ہے؟" وہ اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی ان کے قریب چلی آئی تھیں۔
 "ہیں دیکھ لو گیا ہو یا ہے؟" عارفہ بیگم نے انہیں سائیڈ والی کرسی پر بیٹھنے کا کہا۔
 "دونوں سانس ہو کے شوہر حضرت نظر نہیں آ رہے؟"
 "ہاں فیوز صاحب اپنے کسی دوست کی عیادت کے لیے اسپتال گئے ہیں اور موز لا اور گیا ہوا ہے لپٹنڈ کے سلیسے میں۔"

عارفہ بیگم کے بتانے پر رتیچ نے بڑی طرح چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ لاہور گیا ہوا تھا اور اسے چاہا بھی نہیں تھا؟ یعنی اس نے اسے بتا کر جانے کی زحمت بھی نہیں کی تھی؟ کچھ وہ رتیچ کے شرمگاہ ہوا تھا اور اسے خبر نہ تھی کہ اس نے اپنے بے حد انیسوں ہوا تھا۔

نہ جانے کیا بات تھی کہ ساری رات اسے خلی بستر سے اٹھن ہوئی رہی تھی اس کا دھیان بار بار موز بخت کی سمت جا رہا تھا اور وہ کوئی بدل بدل کر یہ ہی سوچے جا رہی تھی۔
 "کیا میں اس کی عادی ہو گئی ہوں؟ کیا میں اس کو ایکسپسٹ کر چکی ہوں؟ کیا میں اس کی گہمی محسوس کر رہی ہوں؟ کیا وہ نہیں ہے تو میں اس کے نہ ہونے پہ بے چین ہوں؟ ہنسی بھری آواز آئی تھی۔
 "کیا میں قاطعہ کو بھول رہی ہوں؟" اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔ کیونکہ موز بخت کو یاد کرنے کا مطلب تھا کہ قاطعہ کو بھول جانا۔ اس کا چہرہ بے حال نظروں سے بھٹکا جا رہا تھا۔ ساری رات اس کی اسی جوتوں میں گزر گئی۔ کس کو توڑتی تھی کس کو توڑتی تھی جھٹک کر مشکل تھا لیکن جب حساب کتاب کے کھاتے کھولے

تو قصور اپنا ہی نظر آیا تھا 'فاطمہ' بھی بے قصور تھی اور
موز بخت بھی 'بس گناہ گار تھی تو ریح احمد جس کو
سارے رشتوں نے چھوڑ دیا تھا۔

وہ ساری رات یوں ہی بے چینی اور بے کلی کا شکار
رہی تھی اور ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں پائی تھی۔
صبح بھی وہ جاگی سوئی کیفیت میں ہی تھی جب اس کا
بیل گھٹانے لگا۔

"ہیلو! موز کی سچیدہ سی تواز سائی دی تھی۔ وہ
خاموش رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" وہ خاموشی محسوس کر کے بولا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"رات کیسی گزری۔ میری یاد نے بے چین کیا
قلہ میری کی محسوس کی؟"

"رات اچھی گزری ہے سکون اور اطمینان سے،
تمہاری یاد دیکھا خیال بھی نہیں کیا۔" اس نے اٹھو
سے کہا۔

"تم تو جھوٹ بھی سمجھتے اس طرح سے یو تھی ہونکہ
ہندو جگہ جگہ پر مجبور ہو جاتا ہے، لیکن اس بار میں آج
جگہ جگہ نہیں ہوں اس بار جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو
سچ ہی سمجھوں گا۔ موز بخت کے اتنے یقین پہ ریح
یو حیران ہو کر رہ گئی تھی۔

"میں آج گھر آ رہی ہوں میری رات بھی اچھی
نہیں گزری۔" اس نے کمر کر رہی سو روک دیا تھا اور
ریح چپ چاپ بیٹھ کر فون کو دیکھنے لگی۔ وہ ایسا سکون
اور اطمینان گہل سے لائی جس کا اس کے سامنے ذکر
کیا تھا۔

"سید موز بخت! میں تمہیں دل سے یاد تو کر سکتی
ہوں لیکن دل سے محبت نہیں کر سکتی۔" اس نے
خود کلامی کے سے انداز میں کہتے ہوئے گہری سانس
لی لی تھی اور گیس سے سرور کہ کر پلکیں موندی تھیں
جلا کر باہر سویر کی گرما پڑا سے اور کھڑکیوں
سے نکل رہی تھیں۔

"آج تمہارے چیک آپ کی ڈسٹ ہے۔" وہ درواز

سے اس کی فائل نکالتے ہوئے بولتا۔
"جانتی ہوں۔" وہ ڈریسنگ روم کی طرف
اسٹیل پہ بیٹھی باور میں گھسی کر رہی تھی۔
"تو پھر چلین ٹائم ہو رہا ہے؟"

وہ اس کے قریب آ کے ٹھہر گیا تھا، ریح نے اٹھ کر
اپنے ارد گرد چارہ پھیلائی تھی اور اس کے ساتھ باہر
نکل آئی موز نے تمام میز صیال اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے
اترنے میں مدد دی تھی۔

وہ اسے ساتھ لے کر گاڑی تک آ گیا تھا، ریح کا جسم
اب خاصا صحت مند لگنے لگا تھا، وہ اب اس کی
ڈیوڑی کو اور موز اس کی ہر بات کا دھیریں رکھتا تھا
اس کے اٹنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے اور سونے
جانے تک اسے خیال رہتا تھا، ہر مہینے بعد چیک آپ
بھی ریکور ہو رہا تھا، وہ اس بھی ٹائم پہ ریتا تھا۔ اس
نے ریح کا خیال رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی
اس وقت بھی وہ چیک آپ کے بعد اسے اپنے ساتھ
شاپنگ کے لیے لے آیا تھا۔

"ریح؟" اچانک اس کے قریب سے نسوانی تواز
ابھری تھی، اس نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا۔

"قاریہ؟" ریح اپنی دوست قاریہ کو دیکھ کر خوشی سے
بے یقین ہو رہی تھی۔

"ریح! یہ تم ہی ہو؟" قاریہ بے ساختہ اس سے
پٹ گئی تھی اور ریح نے بھی اسے سمجھ لیا تھا۔

"گاہک غائب ہوئی تھی تم؟" قاریہ نے شکوہ کیا
تھا۔ "مجھے تو بس لگتا تھا کہ تم چھوٹن کے لیے اسلام آباد
آئی ہو اپنی کزن فاطمہ کی شادی میں اس کے بعد کیا
ہوا؟ کچھ بتائی نہیں سکا، ہلتی سب فریڈز بھی حیران
تھیں کہ ریح اتنی بے وفائیکلی ہے۔"

قاریہ بھی اسی کی دوست تھی، اسٹاپ ہونے کی
علت اس میں بھی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔
"یہ میرے ہنر مند ہیں سید موز بخت۔" ریح نے
تعارف کروایا۔

"سید موز بخت؟ لیکن وہ تو فاطمہ کے؟" قاریہ نام
سن کر حیران ہوئی اور پھر ان دونوں کے سچیدہ چہرے

دیکھ کر چپ ہو گئی تھی۔
"اسلام علیکم۔" موز نے سلام کرنے میں پہلی کی
تھی۔

"وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ؟" قاریہ کو موت
نبھائی پڑی۔
"اللہ کا شکر ہے۔"

"چلیں؟" اس نے موز کو روک رکھا۔

"گو کے قاریہ جی! اجازت دیجئے، آپ سے پھر کبھی
ملاقات ہوگی آپ سے مل کر اچھوڑاں گا۔" موز نے کہا۔

"اپنا نمبر الیڈرٹس تو دیتی جاؤ کیا وہاں سے ثابت
ہونے کا راز ہے؟" قاریہ نے ریح کو ٹوکا اور اسے

نمبر لکھوا کر آگے بڑھ گئی تھی، اس کے موز پہ پھر
تو طبیعت اتر آئی تھی۔
"گھٹانے لگی؟"

"نہیں گھر چلو۔" اس نے انکار کر دیا۔
"تمہیں سچ سے کچھ نہیں کھایا؟"

"پھر جانے کھاؤ گی میں اب تھک گئی ہوں۔ گھر
جا کر آرام کرنا چاہتی ہوں۔" وہ گاڑی کی سیٹ سے

پشت نکالتے ہوئے بولی تھی۔
"لو کہے؟" اس نے گاڑی گھر کی سمت موڑ دی
تھی۔

"میں تو مارا چکر رہا ہے؟" اس کے ساتھ فلور کشن
چینھی قاریہ ساری حقیقت جاننے کے بعد حیران رہ گئی
تھی۔

"یہ ضمیر کا بوجھ اور اپنوں کی لعنت شاید میری
قسمت میں لکھی تھی۔" ریح کا لہجہ بھیجا ہوا تھا، آنسو
رخساروں کو بھگور رہے تھے۔

"لیکن مارا انکل اور آئی کو تمہارا ساتھ دینا چاہیے
تھا، غلطی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے جس کے گتے
اللہ تعالیٰ نے معافی کا در کھلا رکھا ہے، تم ان کی انکولی
بچی ہو، انہیں تم کو معاف کر دینا چاہیے تھا۔" قاریہ کو
ریح کی بات سن کر واقعی انسو اور دکھ ہوا تھا۔

"میں نے ان کے انکو کو نہیں پہچانی تھی وہ
معاف کیسے کرے؟" وہ طعنے بولی۔

"تم نے کون سا جان بوجھ کے ایسا کیا تھا یہ سب تو
میں بذاتی اور شرارت میں ہو گیا۔"

"وہ جگہ ان کی زندگی میں تھی، وقت شرارت کا
وقت نہیں تھا، مجھ سے بہت پہلی بھول ہو گئی زندگی کی
سب سے بڑی غلطی جس کا میں بھی مر کے بھی ازالہ
نہیں کر سکتی، موز جس کا بوجھ بھی میرے ضمیر سے
نہیں بہت سکا، بے شک میں نے موز بخت کے
ساتھ سمجھوتہ کر کے رہنا سیکھ لیا ہے، لیکن اپنے دل کی
خلعوں کو میں اب بھی مٹا نہیں پائی، دل میں اب بھی
فاطمہ کے نام کا تیرپوہ ست ہے، یہ تیرنکے بھی توبل میں
سورل نہ جائے گا۔"

وہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی اور اس کے آنسو
بے توازمہ رہے تھے۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟" ریح نے ریح خوری سے
پڑی بات کو بھی ہنسی مذاق اور چٹکیوں میں اڑا دیتی
تھی۔

"وہ ریح فاطمہ کی مہندی کی رات ہی مر گئی۔"
"گف بولتے ہوئے کچھ تو سوچ لو۔"

"اگر ایسی ہی ہوتی تو اس نسبت کو نہ آتی۔ اس روز
ہی بولنے سے پہلے سوچ لیتا، میری ذرا سی غلطی کسی
کے اجڑنے اور اپنے عمر بھر کے پچھتوے کا سبب نہ
ہوتی میں کیا کروں قاریہ! میں فاطمہ کو بھول کر موز بخت
کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی، حالانکہ میں خوش رہنا
چاہتی ہوں، مگر خوش رہ نہیں پاتی، میں خوش ہونے کی
خواہش بھی کر رہی تو خود ہی شرمندہ ہو جاتی ہوں، کسی کی
خوشیاں اجاڑ کے خود خوشیاں مٹانا نہیں آتا یا راحہ؟"

بے بسی سے کہہ رہی تھی۔
"تم نے یہ سب دانستہ تو نہیں کیا تھا؟"

"لیکن ہو تو گیا ہے؟"

"فاطمہ سے ملنے کی بات کرنے کی کوشش کر رہی
ہوں؟" ریح نے کہا۔

"پھر کیا کہتی ہے؟"

"وہ میری بات سے گی تو کچھ کے گی نا تو بات ہی نہیں سنتی۔"

"میں ناظرہ سے ملنے کی کوشش کروں؟" قاریہ نے مل سوچا۔

"بے کار ہے جو لوگ میری بات نہیں سنتے وہ تمہاری کیسے سنیں گے؟"

"شاید سن ہی لیں؟" قاریہ نے زور دیا۔

"یقیناً نہیں سنیں گے وہ میرے اپنے ہیں میں ان کو اپنی طرح جانتی ہوں اور مجھ کے انداز میں سمجھیں۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟ پھر یہ ہی کرب سنا ہے۔" اس نے سگنی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"خیر جھوٹا یہ دگ۔ تو عمر بھر کا ہے لہجہ کا نام ہو رہا ہے کھانا لگواتی ہوں۔"

رجح اٹھ کر باہر نکل آئی اور ملازمہ کو کھانا لگانے کا کہتا۔

"موزا موزا!" دعوت در سے در برداشت کر رہی تھی لیکن اس کی جھجک مٹی مٹی اس نے اسے پکار ہی لیا تھا۔

"رجح!" وہ ایک دم بڑا کے اٹھ بیٹھا تھا اور تیزی سے ہاتھ بڑھا کر لپ جلا رہا تھا۔

"مجھے۔ مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" رجح کا چہرہ پینے سے بیجا ہوا تھا۔

"تھم۔ تم بہت سے نام اومیں مام کو بلانا ہوں۔" وہ اس کا چہرہ ٹھیک کر باہر کی سمت لڑکھاتا عارفہ بیگم فوراً خند سے اٹھ کر بھاگی آئی تھیں رجح کو سنبھالنے تک موزا گاڑی تیار کر چکا تھا اس نے رجح کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور عارفہ بیگم پہلے سے تیار بیگ لے کر آگئی تھیں۔ فیوز بخت بھی ڈرائیور کے ساتھ ان کے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔

رات کے تین بجے ابھی خاصی افراتفری مچ گئی

تھی لیکن ایک گھنٹے بعد جب موزا کو تپتی لگی خوش خبری ملی تو وہ ساری افراتفری بھول گیا تھا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا نرس نے بھی کولا کر اس کی گود میں ڈال دیا تھا۔

"سنو سنو!" اس نے بے ساختہ نرس کو توار دی۔

"آئی ایم سوری۔ آپ کی رائف کی حالت خاصی خراب ہے۔ ڈیوڑی کے دوران ان کا پی پی او ہو گیا تھا ان کا جسم بالکل سبے جان ہو کر رہ گیا تھا۔" موزا کے چہرے پر ریشمی سے ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

نرس کہہ کے دوبارہ اندر چلی گئی تھی۔ یمن شاہ اٹھ بیٹھا وہ ٹھیک ہو جائے گی سا آٹھ حوصلے سے کام لیا اور نماز کے بعد اس کے لیے دعا کر دیں میں بھی مسجد جا رہا ہوں۔

فیوز بخت نے بھی کے کھان میں اڑان دی۔ اڑان کے بعد چارونہ بیگم نے بھی کو تھپی دی تھی اور موزا نماز پڑھنے کے لیے چلا گیا تھا لیکن وہ ڈنڈا پاپ بیٹا نماز پڑھ کے واپس بھی آئے تھے مگر رجح کو پھر بھی ہوش نہیں آیا تھا۔ صبح ہو چکی تھی۔ عارفہ بیگم نے گاؤں فون کر کے اقسام بخت کی پہلی فور اس کی بدست قاریہ کو بھی بتا دیا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ سب ہی لوگ پہنچ گئے تھے لیکن ایک رجح کی گھیلی تھی جنہوں نے فون سنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

"تم پہلے بھی وہاں آئے تھے اور پہلے بھی ہمارا جواب انکار میں تھا" رجح بھی ہمارا جواب انکار میں ہے۔"

احمد مرتضیٰ سختی سے بولے تھے۔

"پہلے میں جب کیا تھا تو حالت یہ نہیں تھی۔ پہلیز میں آپ لوگوں کے پاؤں پکڑنے کے لیے تیار ہوں اسے معاف کر دیں تاکہ ایک ہمارے معاف کر دیں ان کو تین دن سے اسپتال میں پڑی موت و زندگی کی جنگ لڑ رہی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ یہ جنگ لڑ رہی نہیں رہی بلکہ وہی ہے وہ زندگی سے منہ موڑ رہی ہے۔"

موزا بخت کی لپٹا گھول میں زندگی میں پہلی بار یوں آنسو جھلکاتے تھے ان کا صبر جو کب بولے گیا تھا انہیں مقام پر آگیا اور ان کا کڑیل مزاج بھی حوصلہ ہار گیا تھا اور پہلی بار احمد مرتضیٰ ٹھکے تھے اور پہلی بار سیکرٹری جنم کا دل کسی نے جتنی دلت پھینکا تھا وہ ترب کی تھیں۔

"کیا ہوا ہے اسے؟" ان کی مٹا کی ترب بھی منہ نہ سکی۔

"پچھتلا ہے اسے پشیمانی ہے۔ اسے اپنی بیٹی تک کی خبر نہیں۔ لیکن اپنے ہی باپ کی فکر ہے اسے سید موزا بخت کا ہوش نہیں اسے قاتلہ الیاس یاد ہے کاشن میں اس روز قاتلہ سے بات کرنے کے لیے فون مٹی نہ کرنا میری خد اور تجھ سے یہ لوت دکھا دی اپنے ساتھ ساتھ سب کا سکون برباد کیا اور وہ گھر بھی برباد کر دیے۔ میں اس سے بھی زیادہ قصودار ہوں آپ مجھے سزا دیں اور اسے معاف کر دیں۔"

موزا نے حقیقتاً ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے سیکرٹری جنم شوہر کی سمت کھڑے ہو کر تھیں۔

"گنن سے اسپتال میں ہے؟" اس کی تکلیف کا من کر پھر ہوئے دل بھی پھل گئے تھے۔ احمد مرتضیٰ نے ڈرائیور کو گاڑی ٹکالنے کا کہا تھا اور موزا بخت کے آنسو ٹکل ٹکٹ وہ پہلے بھی رجح کو بتائے بغیر اس کے مام ڈیڈ کے پاس معافی مانگنے کے لیے آچکا تھا لیکن ان دنوں نے موزا بخت کو بے عزت کر کے ٹکل دیا تھا مگر اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔

چھ دن بعد ہوش میں آئی تھی اور اس کی پہلی نظر موزا بخت کے چہرے پر پڑی تھی ایسا ڈرائیور جو ہمیشہ والی بیٹشت اور مازی سے عاری تھا کانی تھا تھا کالگ رہا تھا بلکہ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ موزا بخت ہے ہر دم اٹکھو تانہ دم اور کھراستہ رہنے والا۔ اس کی نظر خود محسوس کر کے سامنے سے ہٹ گیا تھا اور پھر اس کا لہجہ سیکرٹری جنم اور احمد مرتضیٰ کے چہرے دکھائی دینے لگے تھے۔

"مام؟" وہ ذریعہ لب آہستگی سے بولی جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔

"میری جان میری بیٹی کیسی ہو؟" وہ پک کے پاس آگئی تھیں۔

"مام؟" اس نے بے یقینی سے انہیں ہاتھ لگا کر جھو کر دکھا تھا۔

"ہاں میری جان! میں ہی ہوں تمہاری مام۔" انہوں نے جھکتے ہوئے اس کی پیشانی پر ہوسہ ڈال تھا۔

"ڈیڈ؟" اس نے گرنن موزا گریپ کو دیکھا وہ بھی پاس آگئے تھے۔

"آہ۔ آپ۔ مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہیں؟" اس کی توار بھرا آئی مطلق میں۔ آنسوؤں کا گولا سا چہرہ گیا تھا۔

"ہم پچھلے تین دن سے تمہارے پاس ہی ہیں ہمیں تم ہی آنکھیں بند کیے ہوئے پڑی ہو۔" وہ اس کا سر جھکاتے ہوئے بولے۔

"موزا؟" اس نے بے ساختہ پورے کمرے میں نظر دوڑائی اسے موزا بخت کا چہرہ نہیں بھی نظر نہیں آیا تھا ڈاکٹر نے باری باری ملنے کے لیے بھیجا تھا۔

"گنن وہ؟" بیٹی کی بات کر رہی ہو؟

"بیٹی؟" رجح چونک گئی تھی اسے اپنے بچے کی تو خبر ہی نہیں تھی اور اب سیکرٹری جنم کے منہ سے بیٹی کا لفظ سن کر اسے یاد آیا کہ بے ہوشی سے پہلے ڈاکٹر اور نرسیں بیٹی کا ذکر کر رہی تھیں تو گویا اس نے بیٹی کو جنم دیا تھا۔

"جائیے امیرا بیٹی کو اندر لے کر آئیں۔ اس نے تو اپنی بیٹی کو بھی نہیں دیکھا۔" سیکرٹری جنم نے احمد صاحب سے کہا۔

"نبارک ہو بھائی! اس سے پہلے کہ احمد صاحب باہر نکلے اچانک نشا اندر چلی آئی تھی اس نے ہانپوں میں گھل میں لپٹی بیٹی کو اٹھا کر دکھا تھا۔

"نشا؟" رجح اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔

"جی میں نشا کو پچھلے چوبیس سے آپ کی صاحبزادی کو سنبھال رہی ہوں" تھا کا کے رکھ دیا ہے اس نے بھرتے۔

نشانے معنوی خلقی کا اظہار کرتے ہوئے بھی کو
ریح کے پہلو میں لٹا دیا تھا رفتہ رفتہ نائمہ "نہت بیگم"
عارف بیگم، احتشام بخت، فیروز بخت، فاریہ اور عثمان
وغیرہ سب ہی اندر آگئے تھے اور سب ہی اسے ہوش
میں دیکھ کر خوش ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو باقاعدہ
مبارکبادی بھیج رہے تھے۔

"جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ نائمہ کی شادی ہے۔"
میرا ہاتھ پٹا ہے آپ نے۔" نشانے اس کی طرف
جھٹکتے ہوئے سرگوشی کیا تھی۔

"سچی؟" ریح کو سن کر خوش ہوئی تھی۔
"جس آپ کی شادی مبارک ثابت ہوئی ہے نائمہ کے
لیے اسی روز نائمہ کے سسرال سے فلان آگیا کہ وہ
لوگ رخصتی کرنا چاہتے ہیں جس آپ کے ہوش میں
نے کا انتظار تھا؟" بھی ہلکے جیتے ہیں ان کو۔" نشانے
بھی تاریہ کی طرح میں ہلکے ہو گئی تھی۔
"اے مہوڑ کہاں ہے؟" نہت بیگم کو اس کا
خیال آیا۔

"بھابھی! بامردقہ جینے اور شہر آنے کے روافل
پڑھنے گئے ہیں۔" نشانے پھر فٹ سے جواب دیا تھا۔
"یہ وقف، اُسی کا تو پردہ رکھ لیا کرو۔" نائمہ نے
اسے گھورا۔

"اس میں پردے والی کیا بات ہے؟" اپنی بیوی کی
صحت پالی کے لیے ملنی ہوئی فٹیں پوری کرنے گئے
ہیں، کوئی برا کام کرنے تو نہیں گئے کہ مردہ رکھ لوں؟"
"آف واقعی کن کل کی لڑکیاں، چینی اور چھری کو
چھپے چھوڑ چکی ہیں ہر چیز کو کاتی جارہی ہیں۔" احتشام
بخت نے شیتے ہوئے کہا تھا اور نشانے نے باپ کو ہراسنی
سے دیکھنے لگی۔

"ایلا آپ بھی لوگوں کے کہے میں آگئے؟"
"لوگوں کے کہے میں نہیں آیا" کاتوں سنی ہیں
تمہاری باتیں۔"

وہ اپنے کاتوں کی سمت اشارہ کر کے بولے تھے اور
باقی سب آپس بڑے "نشا اور فاریہ نے ماحول کو کافی
خوش گوار بنادیا تھا وہ لوگ پچھتے چہ وٹوں کی تکلیف

اور پریشانی بھول گئے تھے۔ "خدا؟"۔

دوسرے روز ڈاکٹرز نے اسے ڈسچارج کر کے گھر
بھیج دیا تھا۔ ریح نشا کو زبردستی اپنے ساتھ گھر لے گئی
تھی۔

"کیا بات ہے؟" وہ نول میاں بیوی میں کوئی ناراضی
چل رہی ہے؟" نشانے ریح سے رازدارانہ انداز میں
پوچھا۔

"بہم راضی ہی کب ہوئے ہیں جو ناراضی ہوگی؟"
"اُمیں؟ تو پھر یہ کیسے پیدا ہو گئی؟" ناراضی میں ہی؟"
نشانے معنی خیزی سے چھیڑا۔

"نشا! ریح نے اسے تنبیہ کی۔ "شوکیوں کو ایسی
باتیں نہیں کرنا چاہئیں، تم غیر شادی شدہ ہو۔"
"سورہی! نشا خلعت اور ندامت سے سر جھکا گئی۔

"شوکیوں کو بولنے میں تو بڑی احتیاط کرنی
چاہیے۔" ریح اسے سمجھا رہی تھی، یہ نکتہ وہ خود
ٹھوکر کھانے لگی تھی کہ رشتوں کی کوچ کوچ کو سمجھنا
اور چھوٹی چھوٹی باتوں پہ دھیان رکھنا اتنا ضروری ہوتا

ہے۔ "آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" نشانے کو اپنی فطری کا احساس
ہو چکا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ اس کا نام کیا رکھیں؟" اس نے بات
ہل دی۔
"شام کو بھائی گھر آئیں گے تو پھر سوچیں گے۔"

مہمال! بے بی کا نام کیا رکھنا ہے؟" شام کو کھانے
کی ٹیبل پر نشانے کا تھا۔

"کیوں تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا نام رکھنا
ہے؟" مہوڑ نے مسکرا کر نشانے کو کھلا۔

"سمجھ میں تو کسی کے بھی نہیں آ رہا کہ کیا نام
رکھیں؟" اس نے شرارت سے ریح کی سمت اشارہ کیا
تھا۔

"لب لائق، بد کردار اور سنجیدگی سے جھٹو کہہ بی کا کیا

نام رکھنا ہے؟ اسے طنز ہو گئے ہیں رجسٹر بھی کروا
ہے۔" فیروز بخت سندھو اخلت کی گئی۔

"وہاں نام کیا رہے گا؟" مہوڑ نے بے ساختہ کہا۔

"اس کے معنی کیا ہیں؟"
"اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے
تحفہ۔" اس نے معنی بھی بتا دیے۔

"وایہ! مہوڑ بخت۔ ہوں اچھا نام ہے رکھ لو۔"
عارف بیگم اور فیروز بخت کو بھی یہ نام پسند آیا تھا۔

ریح چپ چاپ سر جھکائے کھانے میں مصروف
رہی تھی اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا وہ کھانا کھانے
کے بعد تھوڑی دیر نشا کے ساتھ باتیں کرتی رہی پھر
بچی کو لے کر بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

"جہیں نام پسند نہیں کیا شاید؟" مہوڑ نے بچی
کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اپنی انگلیوں سے
چھوٹے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کب کہا کہ مجھے نام پسند نہیں۔"
"ہم کوئی نام رکھنا چاہو؟"

"جی! انہیں نے ان بات میں سر ہلایا۔
"نشا؟" مہوڑ نے فوراً پوچھا۔

"وایہ مہوڑ۔"
"تھینک یو۔" مہوڑ نے شکریہ ادا کیا۔

"ایک بات کہوں؟" وہ آہستگی سے بولی۔
"بات کہنے کے لیے اجازت کب سے لینے لگی
ہو؟"

"جب سے تم نے انجمن بننا شروع کر دیا ہے۔"
ریح کی نظریں مہوڑ بخت کے چہرے پہ گئیں اور مہوڑ
بخت کی نظریں اپنی بیٹی کے چہرے کا طواف کر رہی
تھیں۔

"مجھے مت پہلے کسی نے بتایا تھا کہ اگر کسی کی توجہ
حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس سے انجمن بن جاؤ مگر
انسوس کہ مجھے یہ بات سب یاد آئی ہے جب میں اپنی
توجہ لوہ اپنی محبت کے سارے خزانے لٹا دیا ہوں۔ خیر
کوئی بات نہیں، تم پھر بھی ناکام تو نہیں گئے؟" مہوڑ
بخت کا انداز معنی خیز اور شرارت بھرا تھا۔

”کیا مطلب؟“ ریح نے ٹھٹھک کے پوچھا۔
 ”مطلب کو چھوڑو مطلب میں کیا رکھا ہے؟ ایک بات کے ہزاروں مطلب ہوتے ہیں۔“ مہروز نے ہاتھ پرچھلکے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
 ”تم مجھ سے ناراض تھے؟“ اس نے آخر کہہ ہی دیا۔

”نہیں۔“
 ”تو پھر مجھ سے نظر کیسا چرائے ہو رہے تھے؟“
 ”پشیمان تھا۔ میں نے اپنی تل میں نہیں لے لی۔“
 ڈیڈ کے ساتھ خوش دیکھ تو مجھے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا کیوں رشتوں میں دراڑ کا سبب بن گیا؟

”یہ سب قسمت میں لکھا تھا۔“ ریح نے میوہ سے ڈھیر لٹا جانے والا تھوڑا ہیرا لیا تھا۔
 ”تمہارا بچہ ہو اس چیز کو؟“

”ہاں، ہاں بچی ہوں۔“ لیکن فاطمہ ہم کا تیر میرے دل سے لب بھی نہیں نکلا جو شرمیلی اور عورت جو کبک مجھے اس کی طرف سے ہوتی ہے کہ میرے دل سے بھی نہیں جاسکتی۔“

ریح کا ضمیر ابھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔ وہ اتنی خوشیوں میں بھی غیر مطمئن رہتی تھی۔
 ”کوہر آؤ میرے پاس۔“ مہروز بخت نے اسے قریب سے آنے کا اشارہ کیا اور جیسے ہی ریح قریب آئی اس نے اسے بازو میں گھیر لیا تھا۔

”زندگی کے کسی نہ کسی مقام پہ فاطمہ کا تیر بھی تمہارے دل سے نکل جائے گا۔“ مہروز نے اس کے لیے دعا کیا کرو۔ وقت بہت سی تبدیلیاں لاتا ہے۔“ اس نے ریح کو تسلی دی تھی۔ ”محب تم اپنے آپ کو ہی سوچو۔“ پہلے قریب آتا تھا تو تم دور رہا کرتی تھیں اور اب میں دور بیٹھا ہوں تو تم قریب آتی ہو۔“ مہروز پیری سے اتر گیا تھا ریح بدک گئی۔

”کیا کہا؟“ وہ بے لہجے میں چیخ اٹھی۔
 ”یہ ہی کہ میں اپنی جی کو پار کر رہا ہوں اور تم جان بوجھ کر میری توجہ اپنی سمت متوجہ رہی ہو۔“ مہروز نے

اسے سر تپا کر کہا۔ ”خداوند تمہارے دل سے کہتا ہے۔“
 ”تم نے خود مجھے قریب بلایا تھا۔“
 ”مجھے کب پتا تھا کہ تم آ جاؤ گی؟“ اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔
 ”مہروز بخت!“ اس نے مہروز کے بل دلوں لیے تھے۔ تب ہی وانیہ نے روٹا شروع کر دیا اس سے بے خبر کہ مہروز کا مہوڑ کچھ اور بدلتا دکھ ہوتا وانیہ کی چیخ و پکار نے اس کی ساری مستی اور سانس ہٹ کر دیا تھا۔

 ”ریح بیٹا! مہروز کا فون ہے، جلدی ہو۔“ سیکرٹریکرم کی گواہ سنائی دی۔

”ارتق ہوں۔“ وہ چپکے سے لائن پر آئی۔
 ”اسلام علیکم۔“
 ”وعلیکم السلام، کیسی ہو؟“
 ”ٹھیک ہوں۔“ اس نے مختصر کہا۔

”کیا بات ہے؟“ مہروز کیوں آف ہے؟ مہروز جان چکا تھا۔
 تمہاری لائن نے میرا سیل توڑ دیا ہے، میڈیوں سے نیچے پھینکا ہے۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح شکایت کی۔

”کوئی بات نہیں۔“ ہم تو بیچ ہی تھی ہوگی سیل نیلے لیں گے، لٹھسٹائل جو بھی تمہیں پسند ہو۔“ مہروز نے اسے سٹاپ۔
 ”اے بیوے تمہیں یاد ہو کہ کب آ رہی ہو؟“
 ”گھر؟“ بھی پانچ دن تو ہوئے ہیں آئے ہوئے؟“
 ”یار! کمر بستہ خلی خلی سالگ رہا ہے، مام ڈیڈ تر دلوں کو مس کر رہے ہیں۔“

”میرے جانے کے بعد میرے مام ڈیڈ کو بھی تو کمر بستہ خلی خلی سا لگتا ہے۔“ ریح اپنے من ہاپ کے لیے اواس ہوئی تھی۔
 ”اسی لیے تو کہتا ہوں کہ کسی نئے مہمان کی تیاری کرنا پھر ایک انکل آئی کے پاس رہا کرے گا اور ڈیڈ مام ڈیڈ کے پاس۔“ اس نے اپنے مطلب کا مشورہ دیا۔

”پھر تم کو کہے کہ تیسرے مہمان کی تیاری کرو جو ہمارے پاس رہا کرتے ہو۔“ ریح کے برکت جو لب پہ وہ قہقہہ لگا کے ہنسا۔

”بہت چیز ہو یا راہی لیے تو میں تمہارے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔“
 ”اور اب ہر روز میں بے وقوف بنتی ہوں تمہاری چکنی چپری ہانسی میں اگر۔“ اس نے اعتراف کیا تو وانیہ ہنسا۔

”پھر کمر کب آ رہی ہو؟“
 ”ڈیڈ کمر آجائیں تو ان سے کہتی ہوں کہ وہ سیٹ ریڑز کر دے۔“ مہروز نے فون رکھ دیا تھا۔

 جہز کے پرواز کرنے میں بہت کم باقی رہ گیا تھا۔ جب وانیہ سیٹ پہنچی تھی وانیہ کو دلوں باندھوں میں بٹھلکا تھا ہاتھ لگا تھا۔ کنبھے پیک جھول رہا تھا وانیہ سانس ہوا کرتی ہوئی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی اور وانیہ کو گدی میں بیٹھا تھا۔
 ”ممان سبلی۔“ وانیہ نے کسی بچے کی بہت اشارہ کیا تھا۔

”ہاں۔“ وہ چھوٹا سا بھلائی ہے۔“ ریح نے جھک کر کہا اور وانیہ کا گلہ جو م کر اسے گد گدایا تھا۔
 وہ بچہ بھی وانیہ کی بہت جھک رہا تھا شاید وہ بھی کہینا ہاتا تھا۔ بلا خروانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی سمت کھینچ لیا تھا اور وہ بچہ وانیہ کی گرفت سے رو رہا تھا۔
 ”لو! آئی ایم سو ری یہ بس کھیلنے کی ضد کر رہی ہے۔“ ریح نے گاؤں اور قلاب میں لڑائی سے مصدرت کی جو یقیناً اس بچے کی ماں تھی کیونکہ بچہ اس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔

”اس لو کے لیکن کبھی کبھی کھیل کھیل میں زندگی ڈاؤن لگ جاتی ہے۔“ اس لڑکی نے آہستہ سے جواب دیا تھا لیکن ریح کی سمجھنا پہ حیرت اور بے یقینی کا نام پڑتا تھا۔ مہروز کو کچھ سے کچھ رہی تھی۔
 ”فاطمہ؟“ ریح اسے اس کی گواہ سے پہچان گئی

تھی، جیلا تک اس نے ڈھالکی، تین سال بعد اس کی گواہ سنی تھی۔
 ”فاطمہ! یہ تم ہی ہو؟“ ریح فاطمہ کو سامنے نہ کر اسے پاس سب کچھ بھول گئی تھی یاد تھی تو صرف فاطمہ۔

”کوئی شک ہے؟“ فاطمہ بارل سے انداز میں ہنسا تھی۔
 ”فاطمہ! تم کب تم کہاں تھیں؟“ ریح کا لہجہ بھرا گیا تھا پرانے زخم تازہ ہو گئے تھے۔ ”میں نے بہت دیر تم سے ملنے کی کوشش کی، لیکن خدیجہ مملانی نے بتایا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے، تمہاری شادی کس سے ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ یہ انہوں نے نہیں بتایا، جب سے مام ڈیڈ نے مجھ سے ملنا ملا شروع کیا، انہوں نے ان کے ساتھ بھی رشتہ ختم کر دیا، تب ہی تو کہیں سے کوئی

بازوق قادر خیرین کے لیے سالانہ بیک سیل

مشہور و معروف مصنفین کی علمی، ادبی، اسلامی کتب مشہور شعراء کے شعری مجموعے مقبول مصنفین کے ناول اور ناولٹ کے مجموعے بچوں کے لیے کہانیاں 50 فیصد تک خصوصی رعایت خریداری کے لیے تشریف لائیں مکتبہ حیران ڈائجسٹ 37 - اردو بازار، کراچی

خبر نہیں ملی تھی۔ "ریجن فیملی سے کہتی جا رہی تھی۔
"میری شادی لبا جان نے اپنی پسند سے کی تھی،
لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنے شوہر اور بچے کے
ساتھ بہت اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔ گزشتہ زندگی
میں کیا ہوا، کچھ بھی یاد نہیں رکھتا۔ شادی شدہ زندگی
میں سوچنے کا نام ہی نہیں ملتا۔"

فاطمہ جانتی تھی کہ ریجن شرمندہ ہے اسی لیے تو وہ
ٹارل سی بات کر رہی تھی۔

"فاطمہ! ٹائم ملتا ہے بہت ٹائم ملتا ہے، جب سونے
کے لیے لیٹو تو وہ بیان اسی چیز کی طرف جاتا ہے جس
کے ساتھ ہم نے کچھ برا کیا ہوا ہوتا ہے۔"

"ریجن! قصہ مست مجھ سے نہیں بھول چکی ہوں۔"
"میں بھول نہیں سکی بھلائے کی کوشش بہت کی
ہے۔"

"چھوڑو اس بات کو۔"

"میں اس بات کو چھوڑ دوں گی مگر مجھے مجھے
معاف کر دو۔" اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ فاطمہ
کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"تمہاری معافی کا ایک لفظ میرے لیے عمر بھر کا
سکون ہے فاطمہ! میں اندر سے بہت بے سکون
ہوں۔" اس نے التجا کی تھی اور فاطمہ کی آنکھیں بھی
نم ہو گئی تھیں وہ اب بھی پردہ کرتی تھی۔

"میں نے تمہیں معاف کیا ریجن مجھے ملے۔"
فاطمہ نے اس کے ہاتھ ہانک کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

"لبا جان بے شک تم سے ناراض رہیں مگر میری تم
سے کوئی ناراضی نہیں ہے، یہی شروع شروع میں بہت
دکھ ہوا تھا، بہت درد ہوا تھا، لیکن اب جب سے شادی
ہوئی ہے تو پتا چلا ہے کہ میری قسمت تو یہ تھی نہ
نہیں نہ تو تمہاری قسمت تھی۔" ریجن نے ہلکے ہلکے
کر روتے ہوئے اپنے سارے آنسو بہا دیے تھے
بہت سے لوگ ان کی سمت متوجہ ہو رہے تھے۔

"سنبھالو اپنے تپ کو۔" فاطمہ نے اسے خود سے
الگ کیا تھا۔

"تمہیں کب یو فاطمہ!" ریجن نے اس کے ہاتھ چوم
لیے تھے۔ "تین سال بعد اس نے کھل کے سامنے لیا
تھا اسے اپنا آپ بھاشا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ فاطمہ اپنے
شوہر کے ساتھ بہت خوش تھی، اسی لیے بار بار اس کی
باتیں سن رہی تھی اس کے شوہر کا تعلق کلنی اچھی فیملی
سے تھا۔ کراچی میں ہوتا تھا اور آج فاطمہ اپنے میکے
جا رہی تھی، باب سے ملنے۔ اور ریجن گھر پر ہی
تھی سارا باب سے مل کر۔"

اسلام آباد اور پورٹ بلیئر تکی تو سامنے ہی سہوڑ
بخت کھڑا تھا۔ فاطمہ اک نظر اسے دیکھ کر وہ سری
طرف بڑھ گئی، جہاں صوفی الیاس صاحب کھڑے
تھے۔

"کس کو دیکھ رہی ہو؟" سہوڑ ریجن کے پاس آیا۔
"فاطمہ کو۔"

"فاطمہ؟" وہ ٹھٹھکا۔

"فاطمہ! اس کے ساتھ جا رہی ہے۔" اس نے ریجن کی
نظروں کے تعاقب میں دیکھا وہ کھل حجاب میں لپٹی
جھکی۔

"آج فاطمہ نے مجھے زندگی بخش دی۔" ریجن اس
کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے آہستہ سے بولی تھی
لیکن اس کی آواز سے آسوی ظاہر ہو رہی تھی۔

اور سہوڑ بخت بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہا
ساتھ لے کر پارکنگ میں آگیا تھا، واپس کو بالادہ اٹھار کھا
تھا۔

"اس بار لاہور جا کر تمہیں بہت مس کیا میں
نے۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟"

"میں تمہیں یاد آ رہا تھا۔"

"تو ابھی کر لو۔"

"نہیں اب گھر جا کے۔"

"تو پھر جلدی چلو۔" اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا
دی اور ریجن کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی جبکہ واپس لپٹی
نہیں پہ تلیاں بج رہی تھیں۔